ISSN: 2959-2224 (Online) and 2959-2216 (Print)
Open Access: https://journals.iub.edu.pk/index.php/uas/index
Publisher by: Department of Hadith, The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan.

نظم مملکت و حکومت: اسوۂ حسنہ کی روشنی میں

The System of State and Government: in the Light of Uswa Hasna

Dr. Muhammad Yousuf Farooqi*
Ex-Director, Shari'ah Academy, International. Islamic University, Islamabad

Abstract

The Messenger of Allah (ﷺ) paid attention to the civilization and reform of the society before establishing the state and government. For this purpose, he first created the intellectual foundations of the believers with useful knowledge, firm faith, and adorned their attitudes and characters with noble morals. He (ﷺ) established the Islamic society on three foundations: 1. Beneficial knowledge, 2. Firm faith and 3. Moral virtue. These three are the basic guiding principles that not only create peace and moderation in human society but also help a lot in the evolutionary stages of society. The entire life of the Messenger of Allah (ﷺ) before prophethood is a teacher of morals. The moral life of the Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) was so impressive, no one had any doubts about his highest position of the noble morals, it makes the practical life of the Prophet (ﷺ) an ideal example for all. After attaining the office of Prophethood, the Messenger of Allah (ﷺ), continued to teach and train the people about the three guiding principles mentioned above for about thirteen years. He regularly organized the establishment of educational institutions and training institution. The educational and training system of Rasulullah (ﷺ) was so comprehensive and effective that those who were trained in this system not only became intellectually broad and fanciful, but also emerged as the best people in the land of Arabia in terms of knowledge, faith, and morals. The article deals with practical examples from his life in establishing such a welfare state, that regarded a model state in throughout the history of mankind.

Keywords: State, System of Government, Knowledge, Faith, Morals, Uswa Hasna

مملکتِ مدینہ کا ارتقاء۔ ایک تعارف:

رسول اللہ ﷺ نے مملکت و حکومت قائم کرنے سے پہلے معاشرہ کی تہذیب و اصلاح کی طرف توجہ دی، اس مقصد کے لیے آپ ﷺ نے پہلے اہل ایمان کی فکری بنیادوں کو علم نافع اور ایمانِ راسخ پیدا کرکے ان کے رویوں اور کردار کو اخلاق کریمہ سے آراستہ کیا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے تین بنیادوں پر اسلامی معاشرہ کی تشکیل فرمائی۔ علمِ نافع، ایمانِ راسخ اور اخلاقِ فاضلہ۔[1] یہ رہنما اصول انسانی معاشرہ میں امن و اعتدال پیدا کرکے اس کے ارتقائی مراحل میں بہت معاون ہوتے ہیں۔

* Email of corresponding auther: alamzab_iri@yahoo.com

مکی زندگی میں نبوت سے قبل آپ ﷺ کی ساری زندگی معلمِ اخلاق کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ بات سب کے نزدیک مسلّم تھی، آپ ﷺ کے مکارم اخلاق کے بلند ترین مقام پر فائز ہونے میں کسی کو بھی کوئی شک و شبہ نہیں تھا، آپ ﷺ کی عملی زندگی کا سب کے لیے مثالی نمونہ تھی۔ منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد آپ ﷺ نے تقریباً تیرہ سال تک اہل مکہ کو مذکورہ تین اصولوں کی تعلیم و تربیت دی اور اپنا عملی نمونہ بھی پیش کیا، اس کے ساتھ دعوت قبول کرنے والوں کے لیے تربیتی اداروں کے قیام کا باقاعدہ اہتمام فرمایا۔ اس میں سب سے زیادہ موثر منہج تعلیم بالعمل تھا۔[2] آپ ﷺ کا تعلیمی و تربیتی نظم اس قدر جامع اور مؤثر تھا کہ اس میں تربیت پانے والے نہ صرف علمی و فکری وسعت کے حامل بنے بلکہ ایمان و اخلاق میں بھی وہ سرزمین عرب کی بہترین قوم کے طور پر ابھر کر سامنے آئے۔ تعلیم و تربیت میں رسول اللہ ﷺ کا ایک اسلوب ناصحانہ بھی تھا، اس اسلوب میں معلم اپنے مخاطب کی اصلاح و تربیت کے لیے نہایت اخلاص و محبت اور جذبہ ہمدردی کے ساتھ پیش آتا ہے۔ کبھی وہ بشیر کی حیثیت سے فلاح و سعادت اور کامیابی و کامرانی کی راہیں دکھاتا ہے اور کبھی نذیر کی حیثیت سے دنیوی و اخروی زندگی میں درپیش خطرات سے آگاہ کر کے تباہی سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم و تربیت کا یہ نتیجہ نکلا کہ صحابہ نہ صرف علمی و فکری وسعت کے حامل بن گئے بلکہ ایمان اور مکارم اخلاق میں بھی وہ سرزمین عرب کی ایک بہترین قوم کے طور پر نمایاں ہوئے۔ اگرچہ اہل ایمان کی تعداد تھوڑی تھی لیکن علمی و فکری لحاظ سے سرزمین عرب میں ایک اعلیٰ تہذیب کے حامل بن گئے۔ ان میں یہ صلاحیت پیدا ہوگئی تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق ایک ایسا معاشرہ قائم کر سکیں جہاں نظم مملکت عدل و انصاف اور علم و دلیل کی بنیاد پر قائم ہو، جہاں ایمانِ راسخ کے روح پرور مناظر نمایاں ہوں، جہاں اعلیٰ اخلاقی اقدار اور مضبوط تہذیبی روایات غالب ہوں۔ کسی بھی مملکت کا نظم و نسق اسی وقت بہتر انداز میں قائم ہو سکتا ہے جب مملکت کے باشندے مضبوط تہذیبی اور فکری روایات کے حامل ہوں، ملک کا دستور اور ملکی قوانین بھی اسی وقت موثر و مفید ثابت ہوتے ہیں جب ان کے پس پردہ فکری اور اخلاقی قوت موجود ہو، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے پہلے معاشرہ تشکیل دیا اور پھر مملکت کے قیام کی طرف توجہ فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کی تمام تر ایذا رسانی اور عداوت کے باوجود ان کے خلاف مسلح تصادم کی صورت اختیار نہیں کی، اس لیے کہ باہمی قتال کی صورت میں فریقین کے درمیان تعصب کی آگ بڑھ جاتی، اور دعوتِ دین کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے کا سبب بنتی، حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ تصادم کی بجائے ناصحانہ تعلیم کے ذریعہ ہمدردی کا رویہ رکھنے والوں میں اضافہ کیا جائے۔ اسلامی مملکت اور معاشرہ کے قیام کا مقصد تو یہ ہے کہ دنیا بھر کے انسان جو دین اسلام کی دعوت کو قبول کر لیں وہ مل جل کر باہمی اخوت، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور قانون و اخلاق کی پاس داری کے ساتھ جمیع نوع انسانیت کے لیے فلاحی مملکت کا نمونہ پیش کریں۔ رسول اللہ ﷺ کے اس طرز عمل کے بہت مثبت نتائج برآمد ہوئے۔ قریش مکہ نے جب بنو ہاشم کے خلاف معاشرتی اور معاشی مقاطعہ کیا تو قریش مکہ ہی میں سے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ اور بنو ہاشم کی ہمدردی میں اٹھے اور انہوں نے اس معاہدہ کی مخالفت کی، جس کی وجہ سے قریش مکہ کو یہ مقاطعہ ختم کرنا پڑا، اسی طرح جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کو کسی خاص مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

قریش مکہ کے سماجی مقاطعہ کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ نے یہ مناسب سمجھا کہ مکہ مکرمہ سے باہر کے لوگوں کے ساتھ رابطے شروع کیے جائیں، شاید بیرونی علاقوں کے کچھ لوگ پیغام قبول کرکے آپ ﷺ کے معین و مددگار بن جائیں! آپ ﷺ نے اس دوران حجاج کے بیرونی وفود سے رابطے شروع کئے۔ حرمت والے مہینوں میں مختلف تجارتی میلے لگا کرتے تھے جن میں تاجروں کے علاوہ شاعر و خطیب بھی شریک ہوتے اور اپنے اپنے کلام کو پیش کرتے، رسول اللہ ﷺ بیرونی وفود سے ملاقاتیں کرتے اور انہیں دین کا پیغام پہنچاتے۔ بیرونی وفود سے ملاقاتوں کی وجہ سے آپ ﷺ کی دعوت کا چرچا تیزی کے ساتھ باہر کی دنیا میں پھیلنے لگا۔ بیرونی وفود سے رابطوں کا سلسلہ قریش کے سماجی مقاطعہ ختم ہونے کے بعد بھی جاری رہا۔ ان روابط میں سب سے اہم رابطہ یثرب سے آنے والے اوس و خزرج کے لوگوں کے ساتھ رہا۔ ان لوگوں نے عقبہ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چند خفیہ ملاقاتیں کیں، ان ملاقاتوں کے نتیجہ میں ایک منظم مملکت کے ارتقاء کی راہ ہموار ہوئی۔[3]

مدینہ منورہ میں اسلامی مملکت کے قیام میں بیعت عقبہ کا کردار بہت اہم ہے، لیکن عقبہ کے مقام پر ان ملاقاتوں سے قبل بھی یثرب کی بعض شخصیات کی ملاقاتوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ قبیلہ اوس کی ایک معزز شخصیت سوید بن صامت الکامل کی ملاقات ذوالمجاز کے تجارتی میلہ پر آپ ﷺ سے ہوئی۔ آپ ﷺ نے انہیں توحید کا پیغام پہنچایا اور قرآن حکیم کی کچھ آیات بھی تلاوت کیں۔ سوید بن صامت چونکہ شاعر تھے زبان کی فصاحت و بلاغت کو سمجھتے تھے اس لیے کلام الٰہی سن کر بہت متاثر ہوئے۔ ان کے قبیلہ کے لوگوں کا خیال ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پیغام سے متاثر ہو کر مسلمان ہو چکے تھے۔[4]

اسی طرح قبیلہ اوس کے ابو الحیسر انس بن رافع ایک وفد لے کر مکہ مکرمہ آئے، وفد کا مقصد قریش مکہ کے ساتھ معاہدہ کرنا تھا، قبیلہ اوس اور خزرج کے درمیان ایک عرصہ سے لڑائی چلی آرہی تھی، یہ وفد قبیلہ خزرج کے خلاف قریش مکہ سے تعاون چاہتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ان سے ملاقات کی اور دین کا پیغام پہنچایا۔ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی بات تو سنی لیکن دعوت قبول نہیں کی۔ اس وفد میں ایک نوجوان ایاس بن معاذ بھی شریک تھے۔ انہوں نے اپنے لوگوں سے کہا کہ یہ پیغام قریش مکہ کی مدد حاصل کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ مگر وفد نے اس نوعمر کی رائے کو قبول نہیں کیا۔[5] اس نوجوان نے بھی اپنے علاقہ کے لوگوں میں، خاص طور پر اپنے دوستوں میں، ضرور رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ کیا ہوگا۔

بیعت عقبہ اولی بھی ایک اہم موڑ ثابت ہوا، یثرب سے آنے والے بارہ افراد پر مشتمل اوس و خزرج کے ایک وفد نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی، رسول اللہ ﷺ کی ان سے تفصیلی گفتگو ہوئی۔ آپ ﷺ نے انہیں ایمان و اخلاق کی تعلیم دی جسے ان لوگوں نے قبول کیا، آپ ﷺ نے ان سے اس پر بیعت لی کہ وہ توحید پر پوری طرح عمل کریں گے، اخلاقی اقدار کو اپنائیں گے، رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی حیثیت ایک معلم و مربی کی تھی، آپ ﷺ نے اس مختصر ملاقات میں ان کے اندر علم کی طلب پیدا فرمادی۔ انھوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ تعلیم دین کے لئے اپنے کسی صحابی کو ان کے ساتھ بھیج دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے تربیت یافتہ جلیل القدر صحابی حضرت مصعب بن عمیرؓ کو معلم مقرر فرمادیا۔ آپ ﷺ نے انہیں تین باتوں کا پابند بنایا کہ وہ قرآن حکیم کی تعلیم دیں گے، اسلامی تعلیمات سے آگاہ کریں گے اور تیسرے یہ کہ لوگوں میں دین کا فہم پیدا کریں گے۔[6]

حضرت مصعب بن عمیرؓ میں ابلاغ و تفہیم کی بے پناہ صلاحیت تھی، مزاج شناس تھے، بہت پر کشش اور باوقار شخصیت کے مالک بھی تھے۔ جاذب شخصیت کا مالک جب باکردار اور بااخلاق بھی ہو تو وہ اپنا مشن جلد کامیابی کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچا سکتا ہے۔

بیعت عقبہ اولیٰ سرزمین یثرب میں اسلامی تعلیم اور دینی تحریک کا آغاز تھا، رسول اللہ ﷺ نے جس طرح مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی تعلیم و تربیت علم نافع، ایمان راسخ اور اخلاق کریمہ کی تین بنیادوں پر فرمائی تھی سرزمین یثرب میں بھی انہی بنیادوں پر تشکیل معاشرہ کا اہتمام فرمایا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے صرف ایک سال کے عرصہ میں دن رات محنت کر کے اہل یثرب کی کایہ پلٹ دی۔ بیعت عقبہ ثانیہ تشکیل مملکت کی راہ میں سنگ میل ثابت ہوئی۔ اس دفعہ اوس و خزرج کا ایک بہت بڑا وفد آیا۔ اس میں دو خواتین بھی شامل تھیں، عقبہ کے مقام پر انہوں نے اپنے عہد و پیمان کی تجدید کی۔ اب ان کے پاس علم کی روشنی بھی تھی، ایمان بھی مضبوط تھا اور اخلاق کریمہ کی جھلک ان کی عملی زندگی میں نمایاں تھی۔ اس موقع پر اہل یثرب کے اس وفد نے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دی اور آپ کو تحفظ فراہم کرنے کی یقین دہانی بھی کرائی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے اس بات پر بیعت لی۔[7] وفد سے بیعت لینے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایک اور اہم فیصلہ فرمایا، آپ ﷺ نے انصار سے کہا:

أخرجوا إليّ منكم إثنى عشر نقيبا، ليكونوا على قومهم بما فيهم، فأخرجوا منهم اثنى عشر نقيبا، تسعة من الخزرج، وثلاثة من الأوس.

تم اپنے میں سے بارہ نمائندے پیش کرو جو اپنے قبیلوں اور خاندانوں میں نقیب کی حیثیت سے فرائض انجام دیں گے، تو انہوں نے بارہ افراد کا انتخاب کیا، نو نقیب قبیلہ خزرج سے اور تین قبیلہ اوس سے۔[8]

نقباء کے تقرر میں خاص بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اوس و خزرج کے لوگوں کو اختیار دیا کہ وہ بارہ لوگوں کا انتخاب کریں، انہوں نے جن لوگوں کا انتخاب کیا، رسول اللہ ﷺ نے انہیں نقیب مقرر فرمایا۔ پھر نقیبوں کا تقرر فرمانے کے بعد ذمہ داریوں کا احساس اس طرح دلایا:

أنتم على قومكم بما فيهم كفلاء، ككفالة الحواريين لعيسى بن مريم، وانا كفيل على قومي، يعنى المسلمين، قالوا نعم ۔

تم اپنی قوم کے معاملات کے اسی طرح ذمہ دار ہو جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ذمہ دار تھے، اور میں اپنی قوم یعنی امت مسلمہ کا ذمہ دار ہوں، سب لوگوں نے اقرار کیا اور سر تسلیم خم کر دیا۔[9]

یہاں مناسب ہو گا کہ اگر ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نقیبوں کی ذمہ داریوں کا مختصراً تذکرہ کر دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نقیبوں کے بارے میں امام شوکانیؒ لکھتے ہیں:

إنهم بعثوا أمناء على الإطلاع على الجبارين والنظر في قوتهم ومنعتهم فساروا ليختبروا حال من بها، ويخبروا بذالك

انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عمالقہ کے سرکش لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے، ان کی قوت و طاقت اور دفاعی صلاحیتوں کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا تھا، تاکہ وہ ان کے تمام حالات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مطلع کریں۔[10]

ابن کثیرؒ نے ابن اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے:

أن هذا لما توجه موسیٰ علیه السلام لقتال الجبابرة بأن یقیم نقباء

نقیبوں کا تقرر اس وقت ہوا جب موسیٰ علیہ السلام سرکش اور باغیوں کے خلاف جنگ کا فیصلہ کر لیا تھا۔[11]

اس وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے فرائض میں مملکت کی حفاظت کی ذمہ داری بھی شامل تھی۔ مملکت کے سیاسی و انتظامی امور کی دیکھ بھال اور مملکت کے دفاع کا اہتمام دین ہی کا حصہ ہے اسے دین سے الگ تصور کرنا غلط ہے۔

عقبہ کے مقام پر اہل یثرب کے ساتھ مذاکرات اور بیعتوں کا تجزیہ کیا جائے تو مندرجہ ذیل نکات نمایاں نظر آتے ہیں:

1) نمائندوں کے انتخاب میں لوگوں کو اختیار دینا، عہد رسالت کے اہل عرب قبائلی نظام میں باصلاحیت افراد ہی کا انتخاب کرتے تھے، اوس و خزرج نے جن بارہ نقیبوں کا انتخاب کیا تھا وہ سب کے سب اس منصب پر فائز ہونے کے اہل تھے۔
2) ایک اہم سبق یہ ملتا ہے کہ حالات کے پیش نظر دینی یا سیاسی و انتظامی امور کو خفیہ رکھا جا سکتا ہے، بسا اوقات راز داری میں بہت سی مصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔[12]
3) بیعت عقبہ میں مذاکرات سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انصار مدینہ کے سامنے اس پہلو کو واضح کر دیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی حمایت و حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ انہیں قریش اور یہود کی عداوت کا سامنا کرنا پڑے گا، اس پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے وہ آپ ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کریں۔
4) مذاکرات اور معاہدات میں خواتین بھی شریک ہو سکتی ہیں۔ حضرت امّ عمارہ نسیبہ بنتِ کعب[13] اور حضرت اسماء بنت عمرو بن عدی[14] بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک رہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں خواتین سے بھی بیعت لی، اس بیعت میں شرکت کو دونوں خواتین نے اپنے لیے ہمیشہ بڑا اعزاز سمجھا۔ ام عمارہ بعد میں بھی دفاعی امور اور غزوات میں شریک ہوتی رہیں۔
5) بعد میں صحابہ کرامؓ بھی بیعت عقبہ میں شرکت کی وجہ سے ان دونوں خواتین کا بہت احترام کرتے تھے۔
6) یہ پہلو بھی اجاگر ہوتا ہے کہ اسلام ایک جامع نظام زندگی ہے، محض ایمان و عبادات تک محدود نہیں، زندگی کے تمام معاملات، نظم حکومت اور بین الاقوامی امور بھی دین کا حصہ ہیں، ان کے بارے میں بھی رہنما اصول ملتے ہیں۔

رسالت مآب ﷺ کی ہجرت

رسول اللہ ﷺ نے بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ وہ خاموشی کے ساتھ یثرب ہجرت کر جائیں۔ مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد یثرب جا کر آباد ہو گئی تو آپ ﷺ نے بھی حضرت ابو بکرؓ کی معیت میں ہجرت فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ پہنچنے سے قبل وہاں کی تمام صورت حال سے باخبر تھے، آپ ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچنے کے ساتھ ہی قیام حکومت کے اقدامات شروع کر دیئے۔ آپ ﷺ کا پہلا عمل یہ تھا کہ اس علاقے میں مسلمانوں کے قیام کا آغاز اسلامی شعائر سے کیا گیا، شہر سے باہر مقام قباء پر کچھ روز قیام کیا، مسجد تعمیر کی اور امام کا تقرر بھی فرمایا۔ اس کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں بھی مسجد کی تعمیر کی طرف توجہ فرمائی۔ یہ عمل اسلامی ثقافت کے اظہار کے لیے ضروری تھا، مسجد کی تعمیر دراصل وحی الٰہی کی بالادستی کا اظہار تھا کہ مسلم معاشرہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو ہر چیز پر فوقیت حاصل ہو گی۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اسے مربوط و منظم شہر کی حیثیت حاصل نہیں تھی۔ سارا شہر مختلف قبائل اور متفرق قصبات میں تقسیم تھا۔ سیاسی صورت حال بھی بہت پیچیدہ تھی۔ جنگ بعاث کے اثرات ابھی تک خاصے گہرے تھے۔ آپ نے یہاں کی معاشرتی اور سیاسی صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد علاقے کے تمام گروہوں کو ایک دستور کے تحت متحد کرنے کا پروگرام بنایا تاکہ سب لوگ مل جل کر امن و سلامتی کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ امن و سلامتی کا قیام ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی ترجیحات میں شامل رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے یہاں تین مذاہب کے پیروکاروں کا اجتماع ہو گیا۔ یہاں پر یہود کے تین بڑے قبائل آباد تھے، دوسرا گروہ مسلمانوں کا تھا جو انصار و مہاجرین پر مشتمل تھا، تیسرا گروہ ان بت پرستوں کا تھا جو ابھی تک حالتِ کفر پر قائم تھے۔ یہودیوں کی آبادی زیادہ تھی بقول ڈاکٹر حمید اللہ ہجرت کے پہلے سال مدینہ منورہ کی آبادی تقریباً دس ہزار نفوس پر مشتمل تھی، ان میں نصف آبادی یہودیوں کی تھی۔ مسلم مہاجرین و انصار کی تعداد تقریبا چھ ساڑھے چھ سو تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے تینوں مذاہب کے لوگوں کو جمع کر کے تجویز پیش کی کہ باہمی امن و امان کے لیے ایک ایسا دستور مرتب کر لیا جائے جس کی رو سے سب کے حقوق فرائض کا تعین ہو جائے، ساتھ ہی حکمران یا حکومت کے فرائض و ذمہ داریاں بھی متعین ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے سب کے مشورے سے ایک دستور مرتب فرمایا جسے دنیا کا پہلا تحریری دستور تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس تحریری دستور پر بہت سے مغربی محققین نے کام کیا ہے، انہوں نے دستور مدینہ کی سینتالیس دفعات پر گفتگو کی ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بھی اس صحیفہ پر تحقیقی کام کیا ہے، ان کے نزدیک یہ دستور کل باون دفعات پر مشتمل ہے۔[15]

مملکت کے باقاعدہ قیام کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ نے مذہبی ہم آہنگی کے لیے عملی اقدام کیا، دستور میں شریک تمام گروہوں کے حقوق و فرائض متعین کیے۔

دستور کی تمام دفعات پر اتفاق کر لینے کی وجہ سے مدینہ منورہ میں ایک اجتماعیت اور نظم پیدا ہو گیا۔ اس سے قبل قبائلی نظام میں ہر قبیلہ اپنے فیصلوں میں آزاد ہوتا تھا، اس دستور کی رو سے بعض اہم فیصلوں کا اختیار حکومت کو دے دیا گیا۔ مدینہ منورہ پر حملہ کی صورت میں تمام گروہوں نے مشترکہ طور پر دفاع کی ذمہ داری قبول کی، نیز یہ کہ سب گروہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حاکمانہ قیادت کو بھی تسلیم کیا۔[16]

انصار و مہاجرین کے درمیان مواخاۃ

رسول اللہ ﷺ نے تیسرا اہم فیصلہ یہ فرمایا کہ انصار و مہاجرین کے درمیان مواخاۃ کرا دی، مواخاۃ کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے مختصراً اس کے پس منظر کو سمجھنا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں کی سیاسی و اجتماعی صورت حال بہت پیچیدہ اور پراگندہ تھی، یہاں پر آباد یہودیوں کا مزاج بہت سازشی تھا، انہی کے زیر اثر اوس و خزرج کے بعض قبائل میں نفاق کا عنصر پایا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو اندازہ تھا کہ منافقین اپنی بھرپور کوشش کریں گے کہ وہ انصار و مہاجرین کے درمیان تفریق پیدا کریں، ان کی کوشش ہو گی کہ ان کے مابین علاقائی تعصب ابھار کر رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین کو کسی طرح سرزمین مدینہ سے نکال دیا جائے۔ عہد رسالت کی تاریخ پر نظر رکھنے والے اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی اور اس کے گروہ کے لوگوں نے انصار و مہاجرین کے درمیان تعصب ابھارنے اور نفرت پیدا کرنے کی کس قدر کوششیں کیں۔

آپ ﷺ نے بروقت مواخاۃ کا فیصلہ کر کے منافقین کی تمام کوششیں ناکام کر دیں۔ آپ ﷺ نے مواخاۃ کو ادارہ کی صورت دے کر اسلامی اخوت کو پوری طرح مستحکم کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی حکمت و بصیرت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہجرت کے پہلے سال جو فیصلہ فرمایا تھا اس کے نتائج پانچ ہجری میں اس وقت ظاہر ہوئے جب غزوہ بنو مصطلق سے واپسی کے موقع پر عبداللہ بن ابی نے ایک نیشلسٹ لیڈر کے طور پر یہ تعصب و نفرت کا زہریلا نعرہ لگایا کہ ہم اس دھرتی کے سپوت ہیں اور محمد ﷺ اور آپ کے صحابہؓ بیرونی عناصر ہیں، لہٰذا انصار میرا ساتھ دیں، ہم مل کر انہیں اپنی سرزمین سے نکال دیں، اور میں تمہاری اپنی قومی حکومت قائم کر دوں گا۔

قرآن حکیم نے منافقین کی ان چالوں کا تذکرہ سورہ منافقون میں کیا ہے۔[17]

عبداللہ بن ابی کے جو الفاظ قرآن حکیم نے نقل کیے ہیں ان میں ذرا غور کیجیے تو منافقین کی زہریلی ذہنیت اور ان کے مذموم عزائم کو سمجھنا مشکل نہیں۔[18] منافقین نے جو فتنہ پانچ ہجری میں کھڑا کیا رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے پہلے ہی سال اس کے سد باب کا انتظام کر دیا تھا۔ ہم نے بہت اختصار کے ساتھ مملکت مدینہ کے ارتقا کی تاریخ اور معاشرتی و سیاسی پس منظر پر بحث کی ہے تاکہ اس کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو سمجھنے میں سہولت رہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں جن تین بنیادوں پر معاشرہ کی تعمیر کا کام شروع کیا تھا۔ مدینہ منورہ میں بھی یہ تینوں علم نافع، ایمان راسخ اور اخلاق حسنہ کی تعلیم و تربیت آپ ﷺ کی ترجیحات میں شامل رہے۔ اس لیے کہ ان میں سے کسی ایک میں بھی کمزوری پیدا ہو جائے تو معاشرہ میں بھی ضعف پیدا ہوتا ہے اور معاشرہ انحطاط کا شکار ہونے لگتا ہے۔

علم، ایمان اور اخلاق تینوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے، یہ ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ علم کی وسعت سے قلب و نگاہ میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ ایمان راسخ ہو تو عمل میں قوت و تازگی پیدا ہوتی ہے، ایمان ہی کی صحیح تعلیم و تربیت کی وجہ سے انسانوں میں اخلاقِ کریمہ کو اپنے رویوں اور اعمال میں ڈھالنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک منظم معاشرہ کی تعمیر اور مضبوط نظم مملکت و حکومت کے قیام کے لیے نہ صرف عملی اقدامات کیے بلکہ اس سلسلہ میں وقتاً فوقتاً احکامات اور ہدایات بھی دیتے رہے۔ اسلام میں نظم مملکت اور سیاسی و انتظامی امور کے صحیح فہم کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ان ہدایات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ انسانوں کے مابین باہمی معاملات، ان کے حقوق کی نگرانی اور فرائض کی ادائیگی میں ان کی معاونت کرنا ایسے امور ہیں جنہیں صحیح طرح پورا کرنے کے لیے مضبوط اخلاقی قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لیے مسلمان اہل علم نے نظم حکومت و سیاست کو اخلاقیات ہی کا ایک شعبہ قرار دیا ہے۔ ماوردی، ابو یعلی حنبلی، ابن جماعہ، طوسی اور ابن قیم وغیرہ سیاسیات کے علم کو علم الاخلاق ہی کا شعبہ تصور کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی عملی زندگی اور آپ ﷺ کی ہدایات کا جائزہ لیا جائے تو نظر آتا ہے کہ آپ ﷺ نے معاملات کو درست طور پر انجام دینے، انسانی حقوق کی نگہداشت اور منتظمین کی اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے اخلاقی اقدار کی تربیت پر بہت زور دیا ہے۔ آپ کی ہدایات کے مطابق اخلاقی اصولوں کے بغیر حکومت و سیاست کے نظم کی درستگی نہیں ہو سکتی۔ محض قوانین بنا کر نافذ کرنے سے معاشرتی اصلاح کا عمل شروع نہیں ہوتا جب تک قانون اور دستور کے پیچھے ایمان و اخلاق کی قوت موجود نہ ہو۔

مملکت و حکومت کے نظم کو بہتر بنانے کے لیے جن اخلاقی صفات پر آپ ﷺ نے بہت زور دیا ہے، یہاں اختصار کے ساتھ ان کی وضاحت کی جاتی ہے:

ا۔ الصدق: سچائی اور صداقت وہ اخلاقی صفت ہے جو رسول اللہ ﷺ کے اوصاف حمیدہ میں سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے، رسول اللہ ﷺ کی ساری عملی زندگی، آپ ﷺ کے تمام معاملات میں، اپنوں اور اغیار، سب کے ساتھ آپ ﷺ کا رویہ سچائی کا ایسا نمونہ بنا رہا ہے جس کا اعتراف اپنوں کے علاوہ دشمن بھی کرتے تھے، صدق رسول اللہ ﷺ کی ایسی صفت ہے جو نبوت سے پہلے بھی آپ کی زندگی کی نمایاں حقیقت رہی ہے۔ آپ ﷺ نے بچپن ہو یا جوانی یا پھر نبوت کے بعد کی زندگی، جس صفت کو رسول اللہ ﷺ نے ساری زندگی اپنے رویہ کا حصہ بنائے رکھا وہ ہر مسلمان کے لیے لازمی صفت ہے۔

صدق انسان کے باطن اور ظاہر دونوں کی بھی اصلاح کرتی ہے۔ صدق کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے عقیدہ، ارادہ، قول اور عمل میں سچا ہو، ان کے مابین کوئی تضاد نہ پایا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سچ نجات کا سبب اور جھوٹ ہلاکت کا موجب ہوتا ہے۔

صدق کا لفظ اسلامی ادب میں بہت وسیع مفہوم میں استعمال ہوتا ہے، جب کسی انسان میں صدق کی صفت پیدا ہوتی ہے تو اس میں اور بھی بہت سے اخلاقی اوصاف پیدا ہوتے ہیں، بعض مفسرین نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھ میں چار بری عادتیں رچ بس گئی ہیں، میں بے راہ روی، چوری، شرب خمر اور جھوٹ میں مبتلا ہوں، ان میں سے ایک برائی جس سے آپ ﷺ منع فرمائیں، میں چھوڑنے کے لیے تیار ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم جھوٹ بولنا چھوڑ دو۔ وہ جھوٹ نہ بولنے کا وعدہ کر کے چلا گیا، کچھ دنوں بعد حاضر ہوا اور بتایا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے ہمیشہ سچ بولنے کا عہد کیا تھا، اس کی وجہ سے دوسری تمام برائیاں بھی ختم ہو گئیں، رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات سنی تو بہت خوشی کا اظہار کیا۔[19] اس سے معلوم ہوا کہ سچ معاشرتی برائیوں کو ختم کرتا ہے اور جھوٹ برائیوں کی جڑ ہے، خاص طور پر مملکت کے سربراہ، سرکاری عہدے دار، قاضی اور فوجی حکام کے لیے صداقت و امانت داری لازمی صفات ہیں، کیونکہ یہ لوگ عام لوگوں کے لیے قائد اور معلم کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کے کردار کا بہت اثر ہوتا ہے۔ مملکت کے تمام امور انھیں کی مرہون منت ہوتے ہیں۔

امام مالکؒ نے صفوان بن سُلیم کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا:

> أيكون المومن جبانا؟ فقال نعم، فقيل له أيكون المومن بخيلاً؟ فقال نعم، فقيل له أيكون المؤمن كذاب فقال لا.
>
> کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں، پھر پوچھا گیا کہ کیا مومن بخیل ہو سکتا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں یہ ممکن ہے، پھر سوال کیا گیا کہ کیا کوئی مومن جھوٹا ہو سکتا ہے؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔[20]

بزدلی اور بخل بھی بہت بری عادتیں ہیں، کمزور مسلمان میں ان کا امکان ہے، مگر جھوٹ ایسی بڑی برائی ہے کہ یہ مومن میں ہرگز نہیں ہونی چاہیے، کذب ایمان کے منافی بری خصلت ہے۔ اسی طرح حضرت مصعب بن سعد کا قول ہے:

> المؤمن يُطبَعُ على الخلال كلها إلا الخيانه والكذب۔
>
> مومن میں بہت سی اخلاقی برائیاں ہو سکتی ہیں، مگر بد دیانتی اور جھوٹ جیسی برائی نہیں ہو سکتی۔[21]

۲۔ قائدین اور اہل سیاست کے لیے دوسری بنیادی صفت اوراخلاقی اصول امانت داری ہے۔ یہ بھی انسان کے اندر کئی اخلاقی اوصاف کا سبب بنتی ہے۔اس کا تعلق بھی حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں سے ہے۔

امانت داری انسانی رویوں میں مستحکم ہو جائے تو وہ فرائض کی ادائیگی، تکمیل عہد اور تمام معاشی وسیاسی معاملات کی درستگی میں مدو معاون ثابت ہوتی ہے۔ سرکاری عہدہ دار امین ہو تو پوری قوم کے حقوق کا تحفظ ہو جاتا ہے۔ وقت بھی بہت قیمتی امانت ہے،اس کا ضائع کرنا بد دیانتی اور قومی جرم ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا﴾ [النساء۴: ۵۸]

اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حوالے کرو جو ان کے اہل ہوں۔

اس آیت مبارکہ کو اہل علم نے بہت جامع قرار دیا جو اپنے وسیع تر مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ یہ آیت مبارکہ اپنے سیاق وسباق کے تحت پوری جامعیت سے تمام حکمرانوں اور سیاسی قائدین کو حکم دے رہی ہے کہ یہ سب عہدے اور مناصب امانت ہیں، اولاً یہ عہدے ان لوگوں کے حوالے کیے جانے چاہئیں جو ان کی اہلیت رکھتے ہوں، پھر جب عہدے سنبھال لیں تو ان پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انہیں مکمل دیانت داری سے ادا کریں۔ اگر انہوں نے امانت داری کا ثبوت نہ دیا اور امت کے معاملات میں غفلت کی تو اقتدار کی کمزوری کے ساتھ سماجی فساد بڑھتا جائے گا۔ پھر قدیم نااہل اقوام کی طرح تمہارا اقتدار بھی زوال پذیر ہو جائے گا۔ لہٰذا وقت کی پوری طرح قدر کرو اور امانت میں خیانت سے اجتناب کرو۔

اس جامع آیت کو حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث کی روشنی میں بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک علمی حلقہ میں تشریف فرما تھے۔ دوران درس ایک شخص مجلس میں آتا ہے اور سوال کرتا ہے کہ قیامت کب واقع ہو گی؟ آپ ﷺ نے دوران گفتگو اس غیر متعلقہ سوال کا جواب نہ دیا۔ البتہ اپنی بات مکمل کرنے کے بعد سائل بلا کر اس کے جواب میں فرمایا: إذا ضيعت الأمانة فانتظر الساعة، جب امانتیں ضائع کی جانے لگیں تو قیامت کا انتظار کرو۔ اس نے پھر سوال کیا، امانتیں کس طرح ضائع کی جاسکتی ہیں؟ تب آپ ﷺ نے فرمایا: إذا وسد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة. جب معاملات نااہلوں کے سپرد کیے جانے لگیں تو پھر قیامت کا انتظار کرو۔[22]

قیامت نام ہے اس گھڑی کا جب ہر چیز فنا اور تہس نہس ہو جائے گی۔ اس تباہی وبربادی کا نقطہ آغاز امانتوں کا ضیاع ہے، جس قوم میں امانت داری معدوم ہو جاتی ہے تباہی اس کا مقدر ہوتی ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کبھی لوگوں سے خطاب فرماتے تو اکثر اس بات کی یاد دہانی فرماتے:

لا ايمان لمن لا أمانة له، ولا دين لمن لا عهد له

جو شخص امانت دار نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں، اور جو عہد کی پاسداری نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں۔[23]

سورہ نساء کی مذکورہ آیت کی جامعیت اور وسعت کی وضاحت مولانا اصلاحی مرحوم نے بہت اچھے انداز میں کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

یہاں امانت نہایت وسیع مفہوم میں استعمال ہوا ہے، تمام حقوق و فرائض، خواہ حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہوں یا حقوق العباد سے، انفرادی نوعیت کے ہوں یا اجتماعی نوعیت کے، اپنوں سے متعلق ہوں یا بے گانوں

سے، مالی معاملات کی قسم سے ہوں یا سیاسی معاہدات کی قسم سے، صلح و امن کے دور کے ہوں یا جنگ کے، غرض جس نوعیت اور درجے کے حقوق و فرائض ہوں وہ سب امانت کے مفہوم میں داخل ہیں۔[24]

رسول اللہ ﷺ کی عملی زندگی بھی امانت و دیانت کا مثالی نمونہ ہے۔ حقوق العباد میں آپ ﷺ نے امانت کی جو مثالیں قائم کی ہیں تاریخ میں ان کی مثال ملنا مشکل ہے۔ مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کا بڑے سے بڑا دشمن بھی اس کا معترف تھا۔ ہجرت کی رات جب کفار نے ارادہ قتل سے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا تو ان کی امانتیں آپ ﷺ کے پاس موجود تھیں۔ اہل مکہ کو یقین تھا کہ ان کی امانتیں محفوظ ہیں اور حالات جو بھی ہوں محمد ﷺ جھوٹ بولتے ہیں نہ ہی کوئی خیانت کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس ہنگامی صورت حال میں امانتوں کی ادائیگی کا مکمل اہتمام فرمایا۔[25]

ہر انسان اپنے مختلف احوال میں کسی نہ کسی حیثیت میں ضرور ذمہ دار ہوتا ہے، اسے اپنی ہر ذمہ داری کو امانت سمجھتے ہوئے پوری دیانت داری کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف توجہ دلائی ہے:

ألا كلكم راع، وكلكم مسئولٌ عن رعيته، فالأمير الذى على الناس راع ومسئول عن رعيته، والرجل راع على أهل بيته وهو مسئول عنهم، والمرءة راعية في بيت بعلها وهى مسئولة عنه، والعبد راع على مال سيده وهو مسئول عنه ۔

یاد رکھیے! تم میں ہر فرد ذمہ دار ہے، اور ہر فرد سے اس کی ذمہ داریوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ لوگوں کا حکمران ذمہ دار ہے، اس سے رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ شوہر اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے، اس سے ان کے بارے میں پوچھ گچھ کی جائے گی۔ خاتون خانہ اپنے گھریلو امور کی ذمہ دار ہے، اس سے اس کی ذمہ داریوں کے بارے میں سوال ہوگا، ملازم (غلام) اپنے صاحب کے مال کا نگران ہے، وہ اپنے بارے میں جواب دہ ہوگا۔[26]

اس حدیث کی وضاحت دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إغتنم خمسا قبل خمس، شبابك قبل هرمك، وصحتك قبل سقمك، وغناك قبل فقرك، وفراغك قبل شغلك، وحياتك قبل موتك۔

پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے قبل غنیمت جانو، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، خوش حالی کو فقر سے پہلے، فراغت کو مشغولیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔[27]

اس حدیث میں جن پانچ چیزوں کو ذکر کیا گیا ہے وہ سب انسان کے پاس امانت ہیں، جوانی محنت اور عمل کے بہتر مواقع فراہم کرتی ہے۔ ہر انسان کو اپنی جوانی کی قدر کرنی چاہیے، اسی زمانہ میں انسان اپنا مثبت، تعمیری اور تخلیقی کردار ادا کرکے معاشرہ کی بہتر خدمت کر سکتا ہے۔ اسی طرح صحت ایک امانت ہے، اس کی حفاظت اور قدر کرنا چاہیے، کیونکہ تندرست انسان ہی سعی و عمل ذریعہ اپنے خاندان، معاشرہ اور ملک و ملت کی خدمت کر سکتا ہے۔ خوش حالی بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت اور امانت ہے۔ اسے اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرنا ضروری ہے۔ انسان کے پاس وقت اور فرصت کے لمحات بھی امانت ہیں، انھیں صحیح اور بہتر استعمال کے ذریعہ ہی امانت کا قرض چکایا جاسکتا ہے۔ زندگی ساری کی ساری امانت ہے۔ اسوۂ حسنہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ زندگی مسلسل عمل، کسب اور جہاد کا نام ہے۔ جس معاشرہ میں افراد کی تربیت اس انداز سے کی جائے وہی معاشرہ ترقی کے مراحل طے کرتا ہے۔

اس مضمون کو دوسری حدیث میں ایک اور انداز سے بیان کیا گیا ہے:

> قیامت کے روز ابن آدم کے قدم اپنے رب کے سامنے ہل نہیں سکیں گے جب تک کہ وہ پانچ سوالوں کے جواب نہ دے دے۔ عمر کیسے گذاری، جوانی کہاں کھپائی، مال کیسے کمایا، کس طرح خرچ کیا اور اپنے علم پر کتنا عمل کیا۔[28]

شریعت میں شہادت اور مشورہ کو بھی امانت قرار دیا گیا۔ قرآن حکیم میں ہے:

﴿ولا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَانَّه آثمٌ قَلْبه﴾ [البقرہ۲: ۲۸۳]

اور تم گواہی کو نہ چھپانا کیونکہ جس کے دل میں برائی ہوتی ہے وہی امانت چھپاتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: المستشار مؤتمن، جس سے مشورہ مانگا جائے اس کی حیثیت صاحبِ امانت کی ہے۔[29] لہٰذا اس کا فرض ہے کہ پوری دیانت داری کے ساتھ مشورہ دے۔

قرآن و سنت کی نصوص سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ملک کے سربراہ، اس کی کابینہ اور اعلیٰ مناصب پر فائز افراد پر کس قدر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے، ہماری تاریخی روایت سے یہ اصولی رہنمائی بھی ثابت ہوتی ہے کہ سربراہ مملکت اور اعلیٰ عہدیداران اپنے معاش کے لیے الگ سے کاروبار نہ کریں، انہیں سرکاری خزانہ سے مناسب مشاہرہ دیا جائے تاکہ ان کا سارا وقت اور تمام صلاحیتیں ملک و قوم کی امانت کے طور پر استعمال ہوں۔

حکمرانی کے لئے تیسری اہم صفت عہد کی پاس داری ہے، عہد کے مفہوم میں صرف وعدہ، قول و قرار اور معاہدات ہی شامل ہیں، بلکہ اس میں معاشرتی مسلمات بھی شامل ہیں جو فطرتاً اہل حقوق کے درمیان قائم ہوتے ہیں، ان کی پابندی بھی ضروری ہے۔[30]

قرآن حکیم میں صراحتاً حکم ہے:

﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولا﴾ [الاسراء ۱۷: ۳۴]

عہد کو پورا کرو، عہد کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا۔

مسؤلیت کا تعلق دنیا و آخرت دونوں سے ہے۔ دنیا میں مسئولیت کا جو طریق کار منظم طور پر طے کر لیا جائے، اس کے مطابق رعایا اور حکمرانوں دونوں کا محاسبہ قیام نظم کے لئے بہت ضروری ہے۔ رعایا کی قانون شکنی معمولی اور انفرادی نوعیت کی ہوتی ہے۔ اہل حل و عقد کی قانون شکنی پوری قوم پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس لئے حکمرانوں کا احتساب نہ کرنا اجتماعی فساد بلکہ مکمل قومی زوال پر منتج ہوتا ہے۔ جہاں تک اخروی محاسبہ کا تعلق ہے، حکمرانوں کی عوامی حق سلبی کے جرائم ناقابل معافی اور کڑے محاسبہ کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ حقوق اللہ میں کوتاہیوں کو چاہے تو معاف کر دیتا ہے، لیکن حقوق العباد میں کوتاہی پر شدید سرزنش کرتا ہے۔[31]

اعلیٰ انتظامیہ کے لوگ اللہ کو حاضر ناظر جان کر اور قسمیں اٹھا کر اپنے عہدوں کا حلف اٹھاتے ہیں، تو وہ دنیاوی اور اخروی دوہری ذمہ داریوں کے پابند ہوتے ہیں۔

موجودہ دور میں ہمارے حکمران طاقتور ممالک سے خوف زدہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے عہد کو فراموش کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے متنبہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے۔ [آل عمران ۳: ۱۷۵]۔ طاقت ور ممالک کمزور حکمرانوں کو بسا اوقات اپنے معاہدات میں شریک کر لیتے ہیں۔ لیکن اپنے مفادات کو وہ ہمیشہ مقدم رکھتے ہیں۔ نیز ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم

تمام معاہدات کو دینی نقطہ نظر سے دیکھیں۔ ہم قرآن و سنت کے خلاف کوئی بات قبول نہیں کرسکتے۔ مسلم ممالک کو اس میں دو پہلوؤں کا جائزہ لینا چاہیے، ایک یہ کہ سفارشات کی کوئی شق قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو۔ ہمارے ملک میں اس مقصد کے لیے ایک آئینی ادارہ اسلامی نظریاتی کونسل موجود ہے، اس کی رائے ضرور لینا چاہیے، دوسرے یہ کہ اس معاہدہ سے ہمارے ملی اور ملکی مفادات کو نقصان نہ پہنچتا ہو۔ ایسے معاہدات میں شمولیت سے پہلے اس کے تمام پہلوؤں پر پارلیمینٹ میں غور کر لیا جائے، بشرطیکہ پارلیمنٹ کے ممبران تعلیم یافتہ اور رائے دینے کے اہل ہوں۔

چوتھی اہم صفت عدل ہے، یہ اخلاقیات کی اصل اور روح ہے۔ عدل کی صفت بہت سی اخلاقی صفات کے مجموعہ کے ساتھ وجود پذیر ہوتی ہے۔ اگر کسی انسان میں صدق، اخلاص، علم، استقامت، شجاعت اور امانت داری کی صفات نہ ہوں تو اس میں عدل کی صفت پیدا نہیں ہوسکتی۔ قیام عدل عوام اور حکومت دونوں کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔ ہم یہاں پر صرف اسوۂ حسنہ کے حوالے سے حکومت اور مملکت کے فریضہ کے طور پر بحث کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ میں اخلاقی اوصاف کو اجاگر کر کے ان میں عدل کا شعور اس قدر گہرا کر دیا تھا کہ وہ اپنے تمام معاملات میں عدل کے تقاضوں کو پورا کرتے۔ جوں جوں انسان میں علم و ادراک کی صلاحیت بڑھتی ہے اس میں اپنے فرائض کی ادائیگی کا احساس بھی بڑھ جاتا ہے، وہ اپنے آپ کو معاشرہ کے سامنے جواب دہ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مسئول جانتا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا شعور جس قدر بڑھے گا شعورِ عدل اسی قدر کمال کو پہنچے گا۔ قرآن حکیم نے امانت کے حکم کے ساتھ عدل کا حکم دیا ہے:

﴿وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ﴾ [النساء۴: ۵۸]

اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو عدل و انصاف کے مطابق کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین نصیحت کرتا ہے۔

عدل معاشرہ میں امن و سلامتی کا ضامن ہے، اور آخرت کی فلاح و سعادت کا دارومدار بھی قیام عدل پر ہے۔ اسلامی معاشرے میں میں حکومت کا اولیں مقصد ملک کے طول و عرض میں مکمل طور پر عدل قائم کرنا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکومت عطا فرمائی تو حکم دیا:

﴿يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ﴾ [ص۳۸: ۲۶]

اے داؤد ہم نے آپ کو سرزمین پر خلافت عطا کی ہے، لہٰذا لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا، اور اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرنا، اس لیے کہ خواہشات کی پیروی انسان کو اللہ تعالیٰ کے راستہ سے بھٹکا دیتی ہے۔

اسی طرح کا حکم اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو دیا تھا:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللهُ وَلا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا﴾ [النساء۴: ۱۰۵]

(اے محمد ﷺ) ہم نے یہ کتاب آپ پر حق کے ساتھ نازل کی ہے تاکہ آپ ﷺ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلے کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دکھایا ہے، اور خائن و بددیانت لوگوں کی طرف داری نہ کرنا۔

اس آیت کی تشریح آگے کی آیت ایک سو تیرہ میں ہے:

﴿وَأَنْزَلَ اللهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾ [النساء۴: ۱۱۳]

اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر کتاب و حکمت نازل فرمائی، اور آپ کو وہ علم عطا فرمایا جو آپ پہلے نہیں جانتے تھے۔

جب حکمران عدل و انصاف کے مطابق فیصلے کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی لغزشوں اور دشمن کے شر سے محفوظ رکھتا ہے، فلاح و بہبود کی راہیں بھی کھول دیتا ہے اور دین کی حکمت و بصیرت عطا فرماتا ہے۔ وہ اس فہم کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

ان المقسطين عند الله على منابر من نور الذين يعدلون في حكمهم وأهليهم وما ولوا۔

انصاف کرنے والے اللہ تعالیٰ کے دربار میں نور سے معمور ممبروں پر ہوں گے، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلوں میں انصاف سے کام لیتے ہیں، اپنے گھر والوں اور زیر دستوں سے انصاف کرتے ہیں۔[32]

حضرت ابو ہریرہ سے آپ ﷺ کا فرمان مروی ہے:

سات لوگوں کو اللہ تعالیٰ (قیامت کے روز) اپنے سایہ میں پناہ دیں گے، یہ وہ دن ہو گا جس دن اللہ تعالیٰ کے سایہ کے علاوہ کہیں بھی سایہ نہیں ہو گا۔ ان میں پہلا عادل حکمران ہے، دوسرا وہ نوجوان جس کی جوانی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزری، اور وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہے، اور وہ شخص جسے کسی اعلیٰ خاندان کی حسین و جمیل خاتون نے دعوت گناہ دی، لیکن اس نے خوف الٰہی بنا پر اپنے آپ کو معصیت سے بچا لیا، اور وہ شخص جو خاموشی کے ساتھ اس طرح صدقہ کرتا ہے کہ اس کے دائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہیں چلتا کہ بائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا، اور وہ شخص جو تنہائی میں یاد الٰہی میں مصروف ہوتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔[33]

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے معاشرے کے سات کرداروں کا ذکر کیا ہے، جس معاشرہ میں یہ سات کردار مضبوط ہوں وہ معاشرہ ضرور فلاح و سعادت کی راہ پر گامزن ہو گا، ان سات کرداروں میں سر فہرست عادل حکمران ہے، یہ وہ ضروری کردار ہیں جو مل کر معاشرہ میں معروف کی اشاعت اور منکر کی روک تھام میں مدد و معاون ہوتے ہیں۔[34]

حکمران کی اہلیت و قابلیت

رسول اللہ ﷺ کی شخصیت، اقوال اور اعمال کے پیش نظر اہل علم نے مسلم قائد کے لیے کچھ شرائط طے کی ہیں۔ سیاسی نظم میں ان کی اہمیت مسلم ہے۔ منصب جس قدر اہم ہوتا ہے، اس کی قابلیت کا تعین بھی اتنا ہی اہم ہوتا ہے۔ ہم نے شروع میں یہ بات کہی ہے کہ علم ملتِ اسلامیہ کے ہر فرد کے لیے فرض ہے، ملتِ اسلامیہ کی قیادت کے لیے علم و فراست، انتظامی و سیاسی امور سے آگاہی، ملکی اور بین الاقوامی حالات پر گہری نظر اور بروقت فیصلہ کرنے کی صلاحیت لازمی ہے۔ ہمارے خیال میں جس طرح آئین میں سربراہان مملکت کے فرائض کا تعین کیا جاتا ہے اسی طرح ان کی صلاحیت کا تعین بھی آئین میں ہی ہونا چاہیے۔

قابلیت کو طے کرنے کے لیے ہمیں رسول اللہ ﷺ کی قائدانہ شخصیت کو سامنے رکھنا ہو گا۔ بعض لوگ شاید یہ اعتراض کریں کہ آپ ﷺ تو بحیثیت رسول کے حق تعالیٰ کی نگرانی میں فرائض نبوت ادا کرتے تھے، یہ بات تو بالکل ٹھیک ہے مگر یہاں ہم شانِ نبوت کی بات نہیں کر رہے۔ ہم نظم حکومت و سیاست پر بحث کر رہے ہیں، آپ ﷺ کو ہر شعبہ زندگی میں بہترین نمونہ بنایا گیا ہے، لہٰذا سیاست میں آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو مد نظر رکھنا ہمارے لیے واجب ہے۔ آپ کے بعد خلفائے راشدین کی زندگی بھی محفوظ ہے، وہاں سے بھی ہمیں اپنے مسائل کے حل کی اصولی رہنمائی ملتی ہے، ان کے انتظامی طریق کار اور عدالتی اصول و مناہج سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہے۔[35]

ملک کی سربراہی کا عہدہ پھولوں کی سیج نہیں، دنیا بھر میں کسی بھی عہدے پر فائز ہونے کی قابلیت اس کی ذمہ داریوں کے مطابق ہی طے کی جاتی ہے۔ مملکت کے فرائض میں داخلی معاملات، خارجی تعلقات، ملکی بین الاقوامی مفادات کی نگہبانی، عوام کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی امور کی نگرانی اور عدل و امن کے معاملات حکمران کے فرائض میں شامل ہیں۔ یہ تمام امور علمی وسعت اور انتظامی بصیرت کے بغیر انجام نہیں دیے جاسکتے۔

علمی وسعت، تجربہ اور ذہانت و حکمت سے انسان میں استدلال و استنباط کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، اس میں حالات و واقعات سے نتائج اخذ کرنے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ قرآنِ حکیم کی بعض آیات اس کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ سورہ نساء میں دشمن کی پھیلائی ہوئی افواہوں کے بارے میں ہدایت دی گئی ہے کہ لوگ ان افواہوں کو پھیلانے کی بجائے رسول اللہ ﷺ اور اپنے حکمرانوں تک پہنچادیں تاکہ وہ تحقیق کر کے حقیقت تک پہنچ سکیں۔[36] نیز قرآن حکیم بکثرت غور و فکر، تدبر اور عقل و فراست سے کام لینے کا حکم دیتا ہے۔ مسلم حکمران میں یہ صلاحیت ہونا چاہیے کہ گرد و پیش میں رونما ہونے والے حادثات پر نظر رکھے، ان کے اسباب و پس منظر میں غور و فکر کر کے صحیح نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کرے۔[37] قرآنِ حکیم کی بعض آیات تاریخی واقعات اور قوموں کے عروج و زوال کی طرف توجہ دلاتی ہیں، تاکہ ہم ان کے اسباب پر غور کر کے نتائج حاصل کریں اور پھر ان سے سبق حاصل کریں۔[38] قرآن حکیم کی ان آیات میں حکم عام مسلمانوں کے لیے ہے، یقینی بات ہے کہ جب عام مسلمانوں میں اس صلاحیت کا پایا جانا مطلوب ہے تو مسلمانوں کے حکمرانوں میں بطریق اولیٰ یہ صفت موجود ہونی چاہیے۔ اب یہ امت کے عام لوگوں اور خاص طور پر اہل حل و عقد کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے سربراہ اور قائد کا انتخاب کرتے ہوئے ان ہدایات کو ہرگز فراموش نہ کریں۔

مناصب کا حریص

رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ سے یہ واضح رہنمائی ملتی ہے کہ ملک میں حکمرانی کے حصول کے لیے جو لوگ حرص اور لالچ رکھتے ہیں اور اس کے حصول کے لیے بھاگ دوڑ کرتے ہیں، جائز و ناجائز حربے استعمال کرتے ہیں، اور موجودہ سرمایہ دارانہ نظام میں بے پناہ دولت خرچ کرتے ہیں، یہ سب انتہائی ناپسندیدہ حربے ہیں، ایسے حریص و لالچی حکمران ملک و ملت کی خدمت کے بجائے ملکی وسائل کو اپنی ذات کے لیے استعمال کرنے لگتے ہیں، زیادہ سے زیادہ دولت کما کر اسے صرف اس مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں

کہ اپنے منصب کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں، لیکن ہوتا یہ ہے کہ ملک و ملت مضبوط ہوتی ہے نہ ہی معاشرہ میں استحکام و ترقی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ حکمرانی اور وزارتوں کی ہوس اور لالچ کی وجہ سے بے شمار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن سمرہ سے فرمایا:

لا تسأل الامارة، فإنك إن اعطيتها عن مسئلة وكلت إليها، وإن اعطيتها من غير مسئلة أعنت عليها۔

(اے عبدالرحمن) تم حکمرانی کے طلب گار نہ بن جانا، اس لیے کہ تمہاری طلب (حرص ولالچ) کی وجہ سے اگر یہ منصب مل بھی گیا تو تمہیں اس منصب ہی کے حوالے کر دیا جائے گا (یعنی تم اس میں الجھ کر رہ جاؤ گے) اور اگر بغیر کسی طلب اور کوشش کے تمہیں امارت مل جائے تو اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو گی۔[39]

منصب امارت کے حصول کے لیے جب حرص ولالچ بڑھتا ہے تو انسان کی اس خواہش کے پس پردہ اپنے ذاتی مفادات پر نظر ہوتی ہے، وہ منصب کو حاصل کرنے کے بعد ان مفادات کے حصول کی راہیں تلاش کرنے لگتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک و ملت کے مفادات نہ صرف نظر انداز ہوتے ہیں بلکہ بعض اوقات انہیں سخت نقصان بھی پہنچتا ہے۔

ابو موسیٰؓ اشعری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دو شخص اور بھی حاضر ہوئے، ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو حکومت عطا کی ہے اس میں کسی علاقہ کا مجھے بھی گورنر بنا دیجیے، دوسرا شخص جو اس کے ساتھ تھا اس نے بھی ایسی ہی درخواست کی، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

انا والله لا نولى على هذا العمل احدًا سأله، ولا أحدا أحرص عليه۔

خدا کی قسم ہم یہ سیاسی و انتظامی عہدے ان کے حوالے نہیں کرتے جو ان کے طلب گار ہوتے ہوں اور نہ ان کے جو عہدوں کا لالچ رکھتے ہوں۔[40]

ایک اور روایت میں قدرے تفصیل ہے کہ یہ دونوں افراد چونکہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ آئے تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ اے ابو عبداللہ آپ کیا کہتے ہیں؟ ابو موسیٰ اشعریؓ نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ان دونوں نے مجھے اپنے دل کی بات نہیں بتائی تھی۔ مجھے تو یہ خیال بھی نہیں آیا تھا کہ یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے تو آپ ﷺ سے منصب کی درخواست کریں گے، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم ہرگز اسے عہدہ نہیں دیتے جو اس کا خریص و طلب گار ہو۔[41]

البتہ حضرت ابو ذر غفاریؓ والی روایت سے ایک نئے پہلو کی جانب رہنمائی ملتی ہے:

عن أبي ذرؓ قال: قلتُ: يا رسول اللهﷺ! ألا تستعملنى؟ فضرب بيده على منكبى، ثم قال: يا أبا ذر إنك ضعيف، وانها أمانة، وانها يوم القيٰمة خذى وندامة، إلا من أخذها بحقها وادىٰ الذى عليه فيها۔

حضرت ابو ذرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ مجھے عامل (گورنر) کیوں مقرر نہیں فرما دیتے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: اے ابو ذر تم کمزور ہو، اور یہ منصب تو بھاری امانت ہے، جو قیامت کے روز رسوائی اور شرمندگی کا سبب ہو گی،

سوائے ان لوگوں کے جو اس منصب کو اس کے تمام حقوق و ذمہ داریوں کے ساتھ قبول کریں اور انہیں پوری طرح ادا بھی کریں۔[42]

اس روایت میں بہت غور و فکر کی ضرورت ہے۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ اپنے زہد و تقویٰ میں بہت نمایاں صحابی ہیں، انہوں نے تو رسول اللہ ﷺ کو اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ ان کے دل میں کسی منصب کی طلب یا کسی عہدہ کا لالچ نہیں تھا، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ نہیں فرمایا کہ ہم امارت کا منصب کسی حریص کے سپرد نہیں کرتے، بلکہ فرمایا کہ اے ابو ذر تم ضعیف ہو اور اس انتظامی عہدے کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں۔

حضرت ابوذرؓ دینی، فکری اور اخلاقی لحاظ سے کمزور نہیں تھے، ہمارا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اشارہ ان کے قبیلہ کی طرف تھا۔ قبیلہ غفار کو وہ قوت و طاقت حاصل نہیں تھی جو مدینہ منورہ کے دیگر قبائل اوس و خزرج کو حاصل تھی۔ سیاسی نظم میں عوامی تعاون اور ان کی اعانت کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ عوامی قوت و طاقت اور ان کی اعانت انتظامی امور کو نافذ کرنے میں بہت مددگار ہوتی ہے، خاص طور پر قبائلی نظام میں اس کو بہت اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ذر غفاریؓ کو گورنر مقرر کرنے سے اس لیے اجتناب کیا ہو کہ وہ بہت شدت کے ساتھ عزیمت پر عمل کرتے تھے، اور دوسروں سے بھی یہی امید رکھتے تھے۔ حالانکہ عام لوگوں کے لیے رسول اللہ ﷺ سہولت کو ترجیح دیا کرتے تھے اور اپنے عمال کو بھی یہی ہدایت فرماتے تھے کہ وہ لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کریں، انہیں مشقت میں نہ ڈالیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ چونکہ اپنے صحابہ کے مزاج اور ان کی نفسیات سے اچھی طرح واقف تھے، آپ کو اندازہ تھا کہ حضرت ابو ذر غفاری کو سیاسی و انتظامی معاملات سے نمٹنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اس لیے آپ نے حضرت ابو ذرؓ کو یہ ذمہ داری نہیں سونپی۔ واللہ أعلم

حکمرانوں کو دو قسم کی قوت و طاقت حاصل ہوتی ہے، ایک وہ اختیارات جو قانون اور آئین انہیں مہیا کرتا ہے، دوسرے ان کا احترام و عزت جو عوام کے دلوں میں ان کے لیے موجود ہوتی ہے۔ دوسری قوت برسر اقتدار لوگوں کے کردار، اعمال اور معاشرہ میں فلاح و بہبود کے کاموں کی وجہ سے ہوتی ہے، دوسری قوت ہی ان کی اصل قوت ہوتی ہے، اسی قوت کی طرف حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں رہنمائی ملتی ہے: المؤمن القوی خیر وأحب إلی اللہ من المؤمن الضعیف، طاقت ور مؤمن اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بہتر اور محبوب ہے بہ نسبت کمزور مومن کے۔[43]

کامیاب حکومتی نظم کے لیے ضروری ہے کہ ملک میں حکومت کا بھرم باقی رہے، حکومت کی رِٹ بھی قائم رہے، اس کا رعب اور دبدبہ بھی موجود رہے، شریعت ایک طرف حکمرانوں کی قابلیت، ان کے کردار اور کارکردگی کی طرف توجہ دلاتی ہے، دوسری طرف عوام اور افراد معاشرہ کو حکم دیتی ہے کہ وہ صحیح جذبہ کے ساتھ سرکاری احکام اور ملکی قوانین کی پیروی کریں۔ عوام میں اطاعت کا جذبہ اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب ایسی شخصیت برسر اقتدار ہو جسے عوام میں مقبولیت حاصل ہو۔

رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ سے ہمیں نظم و نسق کا، تہذیب و اخلاق کا اور مشترکہ جدوجہد کا سبق ملتا ہے۔ قرآن حکیم بھی ہمیں یہی حکم دیتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ اپنے ان حکمرانوں کی بھی اطاعت کریں جنہیں ہم نے آئینی طور پر حکمرانی کے لیے منتخب کیا ہے۔ نص قرآنی سے بھی یہ اصولی ہدایت ملتی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلا﴾ [النساء۴: ۵۹]

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور تم میں جو لوگ صاحب امر (حکمران) ہیں ان کی بھی اطاعت کرو، ہاں اگر کسی معاملہ میں اختلاف ہو جائے تو اس معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہی طریق کار تمہارے لیے بہتر ہے، اور اسی (طرز عمل) کا انجام بھی اچھا ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول علیہ السلام کو تو حتمی اور دستوری حیثیت دے دی گئی ہے، قرآن وسنت پر عمل کرنا تمام مسلمانوں کا فرض ہے، قرآن وسنت میں تبدیلی کا اختیار کسی بھی فرد کو حاصل نہیں، پاکستان کے دستور میں بھی قرآن وسنت کی بالادستی کو تسلیم کیا گیا ہے، البتہ اولو الأمر کی اطاعت معروف کے ساتھ مشروط ہے۔ شریعت نے اولو الأمر کو اختیار دیا ہے کہ وہ مباح کے دائرے میں رہتے ہوئے ملک وملت کے مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے قانون سازی کر سکتی ہے، بسا اوقات حالات کے پیش نظر سخت فیصلے بھی کرنا پڑتے ہیں انہیں بھی بہتر مستقبل کی خاطر تسلیم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت میں اسی طرف اشارہ ملتا ہے:

السمع والطاعة على المرء المسلم فيما أحب وكره ما لم يؤمر بمعصية، فاذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة۔

اولو الأمر کی جانب سے جاری کردہ احکام، فیصلے وغیرہ کو غور سے سننا اور ان پر عمل کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے، چاہے وہ بات ذاتی طور پر پسند آئے یا نہ آئے، جب تک حکمرانوں کی طرف سے کسی معصیت کا حکم نہ دیا جائے، معصیت کی بات میں سمع وطاعت ضروری نہیں۔[44]

موجودہ دور میں حکومت کا نظم امن وسلامتی کے ساتھ آگے بڑھانا، ملک ومعاشرہ میں پیدا ہونے والے مسائل کو حل کرنا اور معاشرہ کے تمام طبقات کے درمیان عدل وانصاف قائم کرنا ایک مشکل مرحلہ ہے۔ کوئی ایک فرد یا چند افراد اپنے طور پر یہ فریضہ انجام نہیں دے سکتے۔ حکومت ومملکت کا نظم اسی وقت صحیح ڈگر پر چلتا ہے جب ملک اور معاشرہ کے تمام معاملات امت کے ساتھ باہمی مشاورت سے حل کیے جائیں، امت کا اجتماعی شعور مسائل کے حل میں شریک ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہمیں اس بات کی طرف اصولی رہنمائی ملتی ہے کہ ہم اپنے تمام معاملات باہمی مشوروں سے طے کریں۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی اور شخص مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا، وہ صحابہ کرامؓ سے بکثرت مشورے کیا کرتے تھے۔[45] رسول اللہ ﷺ کی کوشش ہوتی تھی کہ معاملات کو اتفاق رائے سے طے کیا، اور شورائی نظم کے ذریعہ اجماع کی طرف اس طرح بڑھیں کہ امت کی وحدت واجتماعیت محکم سے محکم تر ہوتی چلی جائے۔[46]

عوام اور حکمران کا باہمی تعلق

سربراہ مملکت اور عوام کے درمیان باہمی تعلق اخلاص ومحبت اور احترام پر مبنی ہوتا ہے۔ جس شخص کو ہم قابلیت اور اہلیت کی بنیاد پر منتخب کرتے ہیں اس کے ساتھ ہمارا تعاون بھی جذبہ اخلاص ومحبت کے ساتھ ہونا چاہیے، مملکت کے ارتقا اور معاشرہ کے استحکام کا

دارومدار اسی طرح کے طرز عمل پر موقوف ہے۔ یہ باہمی ناصحانہ انداز کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ اس کے بارے میں ہمیں رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے رہنمائی ملتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حکمرانوں کو عوام کے لیے نرمی اور سہولت پیدا کرنے کا حکم دیا ہے اور عوام کو اخلاص کے ساتھ سمع و طاعت کا حکم دیا، اور دونوں کو ایک دوسرے کو نصیحت کرتے رہنے کا حکم دیا ہے۔ حکمرانوں کے لیے حکم ہے: بشروا ولا تنفروا، ویسروا ولا تعسروا، لوگوں کو خوش خبریاں سناؤ، انہیں متنفر نہ کرو، ان کے لیے سہولتیں پیدا کرو، دشواریاں پیدا نہ کرو۔[47]

رسول اللہ ﷺ نے حکمرانوں کو عوام کے ساتھ خیر خواہی کرنے اور سہولتیں پیدا کرنے کی ہدایت کی ہے۔ آپ ﷺ کی ایک دعا، امام مسلمؒ نے نقل کی ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو عوام کے لیے مشکلات پیدا کرنا کس قدر ناگوار تھا:

اللهم من ولى من أمر امتي شيئاً فشق عليهم، فاشقق عليه، ومن ولى من أمر امتي شيئاً فرفق بهم فارفق به۔

اے اللہ جو شخص بھی میری امت کا امیر مقرر ہو پھر وہ ان پر سختی کرے تو اے اللہ تو بھی اس پر سختی مسلط فرما اور جو شخص میری امت کا امیر مقرر ہو اور وہ ان کے لیے نرمی کا معاملہ کرے تو تو بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرما۔[48]

رسول اللہ ﷺ نے حکام کو ایسے تمام کاموں سے منع کر دیا ہے جن کے ارتکاب کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں ان کے خلاف جذبات پیدا ہوتے ہوں، مثلاً ظلم و زیادتی، بددیانتی، سرکاری خزانہ میں خرد برد کرنا، رشوت ستانی وغیرہ وغیرہ۔ اس کے برعکس حکمرانوں کے لیے حکم ہے کہ وہ ملک و ملت کی اصلاح و خیر خواہی کے لیے مسلسل جدوجہد کرتے رہیں، ان کے اچھے اعمال کی وجہ سے لوگوں میں مخلصانہ جذبہ طاعت پیدا ہوتا ہے۔[49]

معقل بن یسارؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کا امیر بنایا اور اسے اس حالت میں موت آجائے کہ اس نے ناجائز طور پر مال کھایا ہوگا تو اس پر جنت حرام کر دی جائے گی۔[50] اس روایت میں آخرت کی سزا کو بیان کیا گیا ہے۔ دنیا میں ہر دور اور ہر زمانہ میں حالات اور ضرورت کے مطابق حکمرانوں کا محاسبہ کے لیے قانون بنایا جا سکتا ہے، جرم ثابت ہونے پر قانون کے مطابق سزا دی جائے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے تو حکام اور صاحب اختیار عہدے داروں کو تحفے تحائف لینے سے بھی منع کر دیا، اس لیے کہ اس سے رشوت ستانی کا راستہ کھل جاتا ہے۔ بنو اسد کے ابن الأتبیہ عامل مقرر کیے گئے تھے انہیں قبیلہ بنو سُلیم سے صدقات کی وصولی کے لیے عامل مقرر کیا گیا تھا، وہ صدقات کا مال لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے صدقات میں وصول شدہ مال آپ ﷺ کو پیش کر دیا، انہیں کچھ لوگوں نے تحفے تحائف بھی دیے تھے، انہوں نے وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ وہ اشیا ہیں جو لوگوں نے مجھے دوران قیام بطور تحفہ دی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات سن کو غصہ آیا اور فرمایا کہ اگر تم اپنے باپ کے گھر بیٹھے ہوتے تو کیا پھر بھی تمہیں یہ تحفے ملتے! یہ کہنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں باقاعدہ خطاب فرمایا:

آپ ﷺ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ میں تم میں سے کسی شخص کو عامل مقرر کرتا ہوں، پھر وہ میرے پاس اموال صدقات لے کر آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مال حکومت کا ہے، اور یہ مجھے تحفے میں ملا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو اپنے باپ کے گھر بیٹھتا اور دیکھتا کہ وہاں کتنے تحائف آتے ہیں، خدا کی قسم بیت المال میں سے کوئی شخص حق کے بغیر کوئی چیز نہیں لے سکتا، اگر ایسا کرے گا تو قیامت کے روز اسے اٹھائے حاضر ہو گا (یعنی حساب دینا ہو گا) پھر رسول اللہ ﷺ نے دونوں ہاتھ بلند کیے اور فرمایا:

اللهم هل بلغت۔

اے اللہ میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا۔[51]

یہ الفاظ آپ ﷺ نے دو بار فرمائے۔ حکمرانوں کی دیانت داری اور سرکاری وسائل میں بہت احتیاط کرنے کی وجہ سے عوام کے دلوں میں ان کی عظمت اور احترام پیدا ہوتا ہے جو کامیاب نظم حکومت کے لیے بہت ضروری ہے۔

بیت المال کا معاملہ رسول اللہ ﷺ کی نظر میں اس قدر اہم تھا کہ آپ ﷺ نے اپنے عامل کا محاسبہ کرنے کے بعد باقاعدہ لوگوں کو خطاب فرمایا اور سرکاری عمال اور حکمرانوں کو واضح انداز میں پیغام دیا کہ حکومتی اور سرکاری عہدے سنبھالنے کے بعد وہ کسی قسم کا کوئی تحفہ لوگوں سے قبول نہ کریں، اور اگر بالفرض کسی سے کوئی تحفہ قبول کر لیا ہے تو وہ بیت المال کی ملکیت ہو گا۔[52] عوام میں خطاب کرنے کا مقصد یہ تھا کہ عوام کو بھی یہ حکم معلوم ہو جائے کہ حکمرانوں کو تحفے پیش کرنا رشوت کے ضمن میں آتا ہے، لہٰذا وہ خود بھی اجتناب کریں۔[53]

ہمارے فقہانے مذکورہ احادیث کی بنا پر حکمران اور تمام اعلیٰ مناصب پر فائز لوگوں کے لیے لوگوں سے تحفے قبول کرنے پر پابندی لگائی ہے، ایسے تمام تحفے رشوت کے زمرے میں آتے ہیں۔ اگر کسی کو کوئی تحفہ ملا ہے تو وہ بیت المال میں ہی جمع کرایا جائے گا، فرد کے تصرف یا ملکیت میں نہیں دیا جا سکتا۔

حضرت عوف بن مالکؓ نے رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے جس میں آپ ﷺ نے عوام اور حکومت کے درمیان مثالی تعلق کا نقشہ بہت دلکش پیرایہ میں بیان کیا ہے:

> خيار أئمتكم الذين تحبونهم ويحبونكم، ويصلون عليكم وتصلون عليهم، وشرار أئمتكم الذين تبغضونهم ويبغونكم، وتلعنونهم ويلعنونكم۔
>
> تمہارے بہترین حکام وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ بھی تم سے محبت کرتے ہیں، تم ان کے لیے دعائے خیر کرتے ہو وہ تمہارے لیے دعائیں کرتے ہیں، اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں جن سے تم نفرت کرتے ہو اور وہ تم سے نفرت کرتے ہیں، تم ان پر لعنت وملامت کرتے ہو اور وہ تم پر لعنت وملامت کرتے ہیں۔[54]

رسول اللہ ﷺ نے حکومت اور عوام کے درمیان خوش گوار تعلقات کا معیار ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ یہ مثالی تعلق اس وقت قائم ہوتا ہے جب دونوں جانب سے مثبت اور تعمیری اقدامات کیے جائیں، حکومت کی جانب سے اصلاح وتعمیر اور ترقیاتی کام انجام دیے جا رہے ہوں، ساتھ ہی حکمران عدل وانصاف کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہے ہوں، لوگوں کے لیے سہولت اور آسانیاں پیدا کر رہے ہوں، نیز اپنے لوگوں کے لیے اخلاص ومحبت کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں ان کی فلاح وبہبود کے لیے دعائیں بھی

کرتے ہوں۔ جب حاکم وقت رعایا کے لیے خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ دعاؤں کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور حکومت کے شروع کردہ ترقیاتی کاموں میں برکت عطا فرمادیتے ہیں۔ اسی طرح جب عوام خلوص و محبت کے ساتھ اپنے حکمرانوں کے حق میں دعا خیر کرتے ہیں تو خود عوام میں جذبہ سمع و طاعت پیدا ہوتا ہے اور معاشرہ میں خیر و برکت کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں لہٰذا دونوں جانب سے ماحول کو بہتر بنانے کی کوششیں ہونا چاہییں۔

رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے بھی آگاہ فرمادیا کہ حکومت اور عوام میں بگاڑ اور خرابی کب اور کیسے پیدا ہوتی ہے؟ اگر عوام اور حکومت دونوں ہی شر و فساد کا ماحول پیدا کرنے لگیں، ہر وقت ایک دوسرے پر لعن طعن کریں تو معاشرہ اور مملکت دونوں میں نحوست اور بے برکتی پھیلتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرہ میں افراتفری پھیلتی ہے، اجتماعیت کمزور پڑنے لگتی ہے اور ملک و معاشرہ دونوں میں فتنہ و انتشار پھیلنے کا اندیشہ مزید بڑھ جاتا ہے۔

اس قسم کے ماحول کی اصلاح کے لیے ہمیں رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے واضح رہنمائی ملتی ہے، لیکن بد قسمتی سے مسلم ممالک میں حکمران اصلاح و تربیت کا وہ طریق کار استعمال نہیں کرتے جس کی طرف رہنمائی ہمیں سیرت طیبہ میں ملتی ہے۔ عام طور پر حکومتیں معاشرہ میں پھیلے ہوئے انتشار پر قابو پانے کے لیے طاقت کا استعمال کرتی ہیں، سخت قسم کے تعزیری قوانین نافذ کرتی ہیں اور جدید ترین ملکی وسائل کو استعمال کرتی ہیں، اس کے نتیجہ میں کبھی وقتی طور پر تو حکومتوں کو کنٹرول تو حاصل ہو جاتا ہے لیکن معاشرہ میں پھیلا ہوا انتشار اور بے چینی کا مداوا نہیں ہوتا۔ وقتی طور پر ظاہری پردہ تو پڑ جاتا ہے، لیکن پس پردہ خفیہ انتشار زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ أللهم احفظنا من كل فتنة

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد صحابہ کرامؓ نے امتِ مسلمہ کے اجتماعی امور کی نگرانی کے لیے آپ ﷺ کے جانشین کا انتخاب کرنے کے لیے کچھ اصول طے کر لیے تھے، جن پر عمل کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا، یہ اصول اسوۂ رسول ﷺ سے ماخوذ ہیں:

1) پہلا اصول یہ تھا کہ امتِ مسلمہ کے وہ صاحب علم و بصیرت لوگ جن پر عام لوگ اعتماد کرتے ہوں، بہت سوچ سمجھ کر ایسے افراد کی نشان دہی کریں جو مملکت کا نظم چلانے اور لوگوں کے معاملات کی نگرانی کرنے کی اہلیت و صلاحیت رکھتے ہوں، وہ اپنے علم و کردار اور سیاسی بصیرت کی وجہ سے اس قابل ہوں کہ ان میں سے کسی کو ملک کی سربراہی کے لیے منتخب کیا جاسکتا ہو۔ خلفائے راشدین کے انتخاب میں اس اصول کی نظیر ملتی ہے۔

2) نظم مملکت و سیاست میں باہمی مشاورت ایک بنیادی اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ مملکت کے لوگوں کی رائے اور مشورہ کے بغیر خلیفہ یا سربراہ کا انتخاب نہیں ہو سکتا، نہ ہی امت کے اجتماعی امور سے متعلق معاملات طے کیے جاسکتے ہیں، البتہ شوریٰ کا طریق کار ہر دور اور ہر زمانہ میں ضرورت کے مطابق طے کیا جاسکتا ہے۔ شوریٰ کے مسئلہ پر ہم تفصیلی بحث اپنی کتاب "اسوہ حسنہ" کے پانچویں باب میں کر چکے ہیں۔

3) تیسرا اصول بیعت ہے یعنی نامزد سربراہ اور عوام کے درمیان عہد و پیمان ہے۔ یہ مملکت کی سربراہی کے لیے عوام اور حکمران کے مابین ایک معاہدہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ منتخب ہونے والا سربراہ باقاعدہ حلف اٹھا کر یہ عہد و پیمان کرتا ہے کہ وہ آئین و قانون کے مطابق اپنی تمام تر صلاحیت مملکت کی سالمیت اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے صرف کرے گا۔

عوام بھی یہ عہد کرتے ہیں کہ وہ معروف کی تمام صورتوں میں حکومت کے ساتھ پوری طرح تعاون کریں گے اور ملک میں رائج قانون اور ضابطوں کی پابندی کریں گے۔

خلاصہ

قدیم زمانہ میں تو اس کے لیے ہاتھ پر بیعت کا طریقہ کار تھا، آج کے دور میں شاید اس پر عمل کرنا ممکن نہ ہو اس لیے باہمی مشورہ سے عوام کے عہد و پیمان کا طریق کار طے کیا جاسکتا ہے۔ ہماری ناقص رائے میں یہ کام ملک کی سیاسی تنظیمیں انجام دے سکتی ہیں۔ سیاسی جماعتوں کی جانب سے منتخب حکومت کے ساتھ آئین و قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے تعاون کا اعلان کر دینا کافی ہو گا۔ مملکت پاکستان میں بہت سی سیاسی تنظیمیں، سیاسی فرقوں کی صورت اختیار کر چکی ہیں، اسی وجہ سے وہ کوئی مثبت، تعمیری اور اصلاحی کردار ادا کرنے میں ناکام ہیں۔ اس بارے میں سیاسی بصیرت رکھنے والے قائدین کو سوچنا ہو گا اور تفرقہ بازی سے نکل کر نظم و ضبط اور حقیقی سیاسی تنظیم کی طرف لوٹنا ہو گا تاکہ ملک کی تعمیر و ترقی میں سیاسی جماعتیں اپنا صحیح کردار ادا کر سکیں۔ ملک کی سیاسی جماعتوں کی جانب سے تعاون کا اعلان عوامی تعاون کا اعلان تصور کیا جائے گا، یا پارٹی کا سربراہ کسی عوامی اجتماع میں اسی طرح تعاون کے لیے حلف اٹھا کر یقین دہانی کرائے کہ وہ اور اس کی جماعت حکومت وقت کے ساتھ معروف کے کاموں میں تعاون کرے گی۔ اس آرٹیکل میں ہمارے پیش نظر حکومت و سیاست کے نظم پر کوئی جامع و مکمل تحریر پیش کرنا نہیں ہے، مقصد صرف یہ ہے کہ اسوۂ حسنہ کی روشنی میں ان رہنما اصولوں کی وضاحت کر دیں جن کی روشنی میں ہر دور اور ہر زمانے میں نظم مملکت کا ایک جامع نقشہ تیار کیا جاسکے۔

All Rights Reserved © 2023 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

حوالہ جات و حواشی

1 معاشرہ کی ان تین بنیادوں پر ہم نے اپنی کتاب اسوۂ حسنہ کے پہلے باب میں تفصیل سے وضاحت کی ہے۔ اسوۂ حسنہ: چند اصولی اور فکری پہلوؤں کا جائزہ، ادارہ معارف اسلامی، لاہور، ۲۰۲۲ء

We have explained these three foundations of society in detail in the first chapter of our book Uswa Hasna. Uswa-e-Hasna: Chand Usuli awr Fikri Pehluon ka Jaizah, Idarao M'arif e Islami, Lahore, 2022.

2 تفصیل کے لیے دیکھیے: فاروقی، محمد یوسف، عہد رسالت میں تعلیم و تعلم کی تحریک، السیرہ عالمی، شمارہ ۴۲، ۲۰۱۹ء، ص ۹۷-۱۲۲

For details, see: Farooqui, Muḥammad Yusuf, T'alim wa T'aullum ki Tahreek, Al-Sira 'Alami, Issue 42, 2019, pp. 97-122.

3 ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ۲: ۶۹-۷۰ (مصطفی البابی الحلبی، مصر ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء)؛ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، باب بدأ اسلام الأنصار، ص ۲۰۴ (دار ابن حزم، بیروت ۱۴۳۲ھ / ۲۰۱۱ء)

Ibn Hishām, Al-Sirah al-Nabawiyah 2: 69-70 (Mustafa al-Babi al-Halabi, Egypt 1355 AH/1936 AD); Ibn Katheer, Al-Sirah al-Nabawiyah, Bāb Bada e Islam al-Ansār, p. 204 (Dar Ibn Hazm, Beirut 1432H/2011)

4 ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ۲: ۷۶؛ ابن عبد البر، الإستیعاب، ج ۲، تذکرہ سوید بن صامت۔ سوید بن صامت اوس و خزرج کے درمیان طویل جنگی سلسلہ میں، جو تاریخ میں جنگ بعاث کے نام سے مشہور ہے مارے گئے تھے۔

Ibn Hishām, Al-Sirah al-Nabawiyah 2:76; Ibn Abd al-Barr, al-Istiyyab, vol. 2, Tadhkerah Suwayd bin Ṣāmit. Suwayd bin Ṣāmit was killed in a long series of wars between the Aus and the Khazraj, known in history as the Battle of Boāh.

5 ہماری رائے یہ ہے کہ سوید بن صامت اور ایاس بن معاذ نے ضرور اپنے احباب اور قبیلہ کے لوگوں کے سامنے رسول اللہ ﷺ اور آپ کی تعلیمات کا تذکرہ کیا ہو گا۔ اوس و خزرج کے لوگ اگرچہ بت پرست تھے لیکن یثرب میں یہودیوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے وہ نبوت و رسالت، انبیاء علیہم السلام پر نازل شدہ کتابوں سے واقف تھے۔ یہود اکثر آنے والے آخری رسول کا تذکرہ اور نشانیاں بھی بتایا کرتے تھے۔ اس لیے وحی و رسالت کے موضوعات ان کے لیے اجنبی نہیں تھے۔ ابو الحیسر کے وفد کے بارے میں دیکھیے: ابن ہشام، السیرہ النبویہ ۲:۶۹

Our opinion is that Suwayd bin Ṣāmit and Iyās bin Mu'ādh must have mentioned the Messenger of Allah and his teachings to their friends and clansmen. Although the people of Aws and Khazraj were idolaters, but because of living with the Jews in Yathrib, they were familiar with Prophethood, the Messengers, and the books revealed to the Prophets. The Jews often mentioned the coming of the Last Messenger and also told the signs. Therefore, the themes of revelation and prophethood were not alien to him. Regarding Abu al-Haysir's delegation, see: Ibn Hishām, Al-Sirah al-Nabawiyah 2:69.

6 ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ۲:۷۶

Ibn Hishām, Al-Sirah al-Nabawiyah 2:76.

7 أبا يعكم على أن تمتعونى مما تمنعون منه نساءكم وابناءكم (میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میری اسی طرح حفاظت کرو گے جس طرح تم اپنے بچوں اور اولاد کی کرتے ہو)۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ۲:۸۴

I pledge allegiance to you that you will protect me as you protect your children and grandchildren. Ibn Hishām, Al-Sirah al-Nabawiyah 2:84.

8 ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ۲:۸۵؛ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ دار ابن حزم، بیروت ۲۰۱۱ء، ص ۲۱۳

Ibn Hishām, Al-Sirah al-Nabawiyah 2:85; Ibn Kathir, Al-Sirah al-Nabawiyyah Dar Ibn Hazm, Beirut 2011, p. 213.

9 ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ۲:۸۸؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ۳:۱۶۲

Ibn Hishām, Al-Sirah al-Nabawiyah 2:88; Ibn Katheer, Al-Badiyah and Al-Nahiyah 3:162.

10 الشوکانی، فتح القدیر ۲:۲۰

Al-Shukani, Fath al-Qadir 2:20

11 ابن کثیر، تفسیر القرآن ۲:۳۱ (تفسیر سورہ المائدہ، ۵:۱۲)

Ibn Kathir, Tafsir al-Qur'an 2:31 (Tafsir Surah al-Maida 5: 12)

12 سیرت طیبہ میں رازداری کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، مثلاً مکہ مکرمہ میں خفیہ درس گاہوں کا قیام، رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کا دن، راستہ وغیرہ، بیعت عقبہ وغیرہ

There are many examples of secrecy in Sirat Tayyaba, such as the establishment of secret schools in Makkah, the day of the Prophet's migration, the path, etc., the pledge of allegiance to Uqba, etc.

13 حضرت ام عمارہؓ بیعت رضوان میں بھی شریک تھیں، غزوہ احد میں ان کی شجاعت و بہادری مثالی تھی، جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے خلاف جہاد میں شرکت کی اور شجاعت و حوصلہ کی تاریخ رقم کی۔ دیکھیے: ابن الاثیر، اسد الغابہ ۵:۴۰۶

Ḥazrat Umm e ‘Amara also participated in the pledge of allegiance to Rizwan, her courage and bravery were exemplary in the Battle of Uḥud, she participated in the Jihad against Musailmah Kazzāb in the battle of Yamaṃah and made a history of bravery and courage. See: Ibn al-Athir, Usud al-Ghaabah 5:406.

14 حضرت اسماء بنت عمرو (ام منیع) حضرت معاذ بن جبلؓ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ۲:۸۴؛ ابن الاثیر، اسد الغابہ ۵:۲۱۲

Ḥazrat Asma bint ‘Amr (Umm Munee’e) was the paternal sister of Ḥazrat Muādh bin Jabal. Ibn Hishām, Al-Sirah al-Nabawiyah 2:84; Ibn al-Athir, Usud al-Ghaabah 5:212

15 تفصیل کے لیے درج ذیل حوالے دیکھیے: ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ۲:۱۴۷-۱۵۰؛ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ص ۲۶۰؛ حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، دنیا کا پہلا تحریری دستور، ص ۷۵؛ عماد الدین خلیل، دراسۃ فی السیرہ (موسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۹۷۸ء، ص ۱۴۹؛ مہدی رزق اللہ، سیرت نبوی (اردو ترجمہ محمد امین و قمر حسن، دار السلام لاہور، ۲۰۰۹ء) ۱:۵۰۱؛ الصلابی، علی محمد، السیرۃ النبویہ ۱:۴۵۴-۴۵۸

For details, see the following references: Ibn Hishām, Al-Sirah al-Nabawiyah 2: 147-150; Ibn Kathir, Al-Sirah al-Nabawiyah, p. 260; Hamidullah, ‘Ahd e Nabwi meṉ Niẓām e Ḥukmrāni, Dunya ka Pehl Taḥriri Dastur, p. 75; Imad al-Din Khalil, Darasah fi al-Sirah (Musisah al-Risalah, Beirut, 1978, p. 149; Mahdi Rizqullah, Sirat Nabawi (Urdu translation by Muḥammad Amin and Qamar Ḥasan, Dar al-Salam, Lahore, 2009) 1:501; Al-Salābi, ‘Ali Muḥammad, Al-Sirah al-Nabiwiyah 1:454-458.

16 مختلف مذاہب اور مختلف علاقوں اور مختلف قبائل کے لوگوں کو ایک دستور کے تحت جمع کر کے علاقہ میں ایک نظم قائم کرنے کی بہت کامیاب کوشش تھی۔ ایک بات بہت حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ مدینہ منورہ میں پہلے سال میں مسلمانوں کی تعداد تو یہودیوں اور بہت پرستوں کے مقابلہ میں بہت کم تھی پھر تمام

لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی قیادت کو کیسے تسلیم کر لیا، اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ مسلمان علم، ایمان اور اخلاق حسنہ میں سب سے بہتر اور نمایاں تھے۔ حضرت محمد ﷺ اور آپ کے اصحابؓ سب ہی صادق وامین تھے۔ ان پر سب بھروسہ کر سکتے تھے، کسی اور گروہ کو یہ اعزاز حاصل نہیں تھا۔

It was a very successful attempt to establish an order in the region by bringing together the people of different religions and different regions and different tribes under one constitution. One thing that seems very surprising is that in the first year in Madinah, the number of Muslims was very less compared to the Jews and the polytheists, then how all the people accepted the leadership of the Messenger of Allah, the main reason for this. It was said that Muslims were the best and prominent in knowledge, faith and morals. Ḥazrat Muḥammad (ﷺ) and his Companions were all truthful and trustworthy. They could be trusted by all, no other group had this privilege.

17 المنافقون ۶۳:۸

Al-Manafiqun 63:8

18 تفصیل کے لیے دیکھیے: عہد رسالت میں معاشرہ اور مملکت کی تشکیل (اظہار القرآن، لاہور ۲۰۱۲ء) مواخاۃ: پس منظر اور معاشرہ پر اس کے اثرات، ص ۹۲

For details see: Formation of Society and State in the Prophet's Era (Izhar al-Qur'an, Lahore 2012) Muqaha: Background and its effects on society, p. 92

19 زمخشری، ربیع الابرار ونصوص الاخیار ۴:۳۴۰ (موسسہ الاعلمی، بیروت، طباعت اول، ۱۴۱۲ھ)۔ اس حدیث کو مصنف نے بغیر سند کے نقل کیا ہے، اس لئے اس کی کوئی بنیاد معلوم نہیں ہوتی، البتہ اس کا مفہوم صحیح احادیث سے موید ہے کیونکہ صحیح بخاری میں ہے ان الصدق یہدی الی البر۔۔۔وان الکذب یہدی الی الفجور۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب قول اللہ تعالی یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ، حدیث نمبر ۶۰۹۴

Zamakhshari, Rabi al-Abrar wa Nasus al-Akhyar 4: 340 (Mu'sasah al-Alami, Beirut, 1st printing, 1412 AH). This hadith has been quoted by the author without a chain of transmission, so there is no known basis for it, but its meaning is supported by authentic hadiths because it is in Sahih Bukhari, An al-Sadiq Yahdi al-Albar. Al-Jami' al-Sahih, Kitab al-Adab, Hadith No. 6094

20 موطا امام مالکؒ، ص ۳۸۸ (مکتبہ الرحیمیہ، دیوبند ت ن) باب ما جاء فی الصدق والکذب) رواہ البیہقی فی شعب الایمان ۴:۲۰۷ (محدثین کے نزدیک یہ حدیث مرسل ہے) مشکاۃ المصابیح، کتاب الآداب، حدیث نمبر: ۴۹۶۲، وعن عبداللہ بن مسعودؓ قال: قال رسول اللہﷺ إیاکم والکذب فان الکذب یھدی الی الفجور وإن الفجور یھدی النار، وان الرجل لیکذب ویتحری الکذب حتی یکتب عند اللہ کذابا وعلیکم بالصدق فإن الصدق یھدی الی البر، وان البر یھدی الی الجنہ، وان الرجل لیصدق ویتحری الصدق حتی یکتب عند اللہ صدیقاً

Mu'ta Imam Malik, p. 388 (Muktab al-Rahimiya, Deoband tn) Bab ma ja'a fi al-Sidq wa al-Kidhb) al-Bayhaqi fi Shaab al-Iman 4: 207 (according to the muhaddiths this hadith is transmitted) Mishkaat al-Masabih, Kitab al-Adab, Hadith: 4962

21 ابن ابی شیبہ، الایمان ۸۱

Ibn Abi Shaiba, Al-Ayman 81

22 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب من سأل علما (حدیث نمبر: 59)

Al-Bukhari, Al-Jama'i al-Sahih, Kitab al-Ilam, Bab Mn Sa'l 'Ulama (Hadith# 59)

23 المتذری، الترغیب والترہیب ۴:۷۷؛ احمد بن حنبلؒ، المسند، حدیث نمبر: ۱۲۵۶۷؛ البغوی، ابو محمد الحسین بن مسعود، معالم التنزیل (تفسیر البغوی) ۱:۴۴۳، ۴۴۴ (دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۰۶ھ)

Al-Mutaziri, al-Targhib and al-Tarhib 4: 77; Ahmad bin Hanbal, al-Musnad, Hadith# 12567; Al-Baghwi, Abu Muḥammad al-Husayn bin Mas'ud, Ma'alim al-Tanzil (Tafseer al-Baghwi) 1: 443, 444 (Dar al-Marafa Beirut, 1406 AH)

24 اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن ۲:۹۴

Islahi, Amin Ahsan, Tadbar Qur'an 2:94

25 ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ۲:۱۲۶-۱۳۷؛ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ص ۲۲۴-۲۲۵؛ کاندھلوی، محمد ادریس، سیرۃ المصطفی ۱:۳۴۰، ۳۴۱ (مکتبہ عثمانیہ، لاہور ۱۹۹۲ء)

Ibn Hishām, Al-Sirah al-Nabawiyah 2: 126-137; Ibn Kathir, Al-Sirah al-Nabawiyah, pp. 224-225; Kandhalvi, Muḥammad Idris, Sirat al-Mustafa 1: 340, 341 (Othmania Library, Lahore, 1992).

26 ترمذی، جامع ترمذی، کتاب الجہاد، باب ماجاء فی الامام (حدیث نمبر: ۱۷۰۵)

Tirmidhi, Jami Tirmidhi, Kitab al-Jihad, Bab Ma Jaa' fi al-Imam (H. 1705)

27 المنذری، الترغیب والترھیب ۴:۲۰۳؛ الحاکم، المستدرک ۴:۳۴۱ (حدیث نمبر: ۷۸۴۶)

Al-Munzari, Al-Turghib and Al-Tharhib 4: 203; Al-Hakam, al-Mustadrik 4:341 (Hadith# 7846)

28 ترمذی، جامع الترمذی، کتاب صفۃ القیٰمۃ، ص ۵۵۰ (حدیث نمبر: ۲۴۱۶)

Tirmidhi, Jami al-Tirmidhi, Kitab Safat al-Qiyamah, p. 550 (H. 2416).

29 ترمذی، جامع الترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء ان المستشار مؤتمن (حدیث نمبر: ۲۸۲۲)

Tirmidhi, Jami al-Tirmidhi, Kitab al-Adab, Bab Ma Jaa' in al-Mustshar Mu'tamanun (H. 2822)

30 عہد کے موضوع پر سید سلیمان ندوی مرحوم نے سیرۃ النبی میں بہت عمدہ وضاحت کی ہے، اس کا مطالعہ مفید ہوگا، دیکھیے: سیرۃ النبی ج ۶ باب عہد کی پابندی، ص ۴۶۶

The late Syed Sulaiman Nadwi has explained very carefully on the subject of pledge in Sirat-ul-Nabi, it will be useful to study it, see: Sirat-ul-Nabi, 466/6.

31 مندرجہ ذیل آیات کا مطالعہ مفید ہوگا: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ} [المائدۃ ۵:۱]، سورہ البقرہ میں آیات البر میں ہے: {وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا} [البقرۃ ۲:۱۷۷]، {الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللهِ وَلا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ} [الرعد ۱۳:۲۰] اس آیت مبارکہ میں سمجھ دار اور عقل مند لوگوں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے گئے وعدے پورے کرتے ہیں۔ احتساب کے موضوع پر تفصیلی بحث دیکھیے: ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی، اسوہ حسنہ، چند اصولی اور فکری پہلوؤں کا جائزہ، باب ۹، ص ۱۲۸۔

It is mentioned about the sensible and wise people that they fulfill the promises made with Allah. For a detailed discussion on the subject of accountability, see: Dr. Muḥammad Yusuf Farooqui, Uswa-e-Hasna, Chand Usuli awr Fikri Pehluon ka Jaizah, Chapter 9, p. 128.

32 المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الإمارۃ، باب فضیلہ الأمیر العادل وعقوبہ الجائر (حدیث نمبر: ۴۷۲۱)؛ النسائی، السنن، کتاب آداب القضاۃ، باب فضل الحاکم العادل فی حکمہ (حدیث نمبر: ۵۳۸۱)

Al-Muslim, Al-Jami' al-Sahih, Kitab al-Imarat, Bab Fadhilah al-Amir al-'Adil wa 'Uqubah l-Jaair (Hadith# 4721); Al-Nasa'i, Sunan, Kitab Adaab Al-Qudsa, Bab Fazl al-Hakim al-'Adil (Hadith# 5381)

33 المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقۃ (حدیث نمبر: ۲۳۸۰)، ص ۴۱۵

For Muslim, Al-Jami'a al-Sahih, Kitab Al-Zakah, Bab Al-Hath 'ala al-Sadaqah (Hadith# 2380), p. 415

34 دیکھیے: محمد یوسف فاروقی، اسوۂ حسنہ: چند اصولی و فکری پہلوؤں کا جائزہ، باب ۹، ص ۱۸۱

See: Muḥammad Yusuf Farooqui, Uswa-e-Hasna: Chand Usuli awr Fikri Pehluon ka Jaizah, Chapter 9, p. 181

35 Muḥammad Yusuf Farooqui, Early Islamic Lego-Political Institutions: An Exploratory Study (Shari'ah Academy, IIU, Islamabad 2011)

36 النساء ۴:۸۳

An-Nisa 4:83

37 قرآن حکیم کی ان آیات کا مطالعہ کیجیے جو مظاہر فطرت میں غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں اور ان میں اہل عقل اور اہل نظر کے لیے آیات و علامات کا تذکرہ کرتی ہیں۔ آیات میں غور و فکر کے لیے قرآن حکیم میں تقریباً ایک سو پینتالیس مرتبہ آیا ہے، دیکھیے فواد عبد الباقی، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن

Study the verses of the Holy Qur'an which invite reflection on the phenomena of nature and mention signs and signs in them for the people of intellect and the people of sight. For contemplation in the verses, it has appeared about one hundred and forty-five times in the Holy Qur'an, see Fawad Abdul Baqi, Al-Ma'jam al-Mufahrs for Words of the Qur'an.

38 دیکھیے: فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین، آل عمران ۳:۱۲۷؛ الانعام ۶:۱۱؛ فانظروا کیف کان عاقبۃ المجرمین، الاعراف ۷:۸۴؛ عاقبۃ المفسدین، الاعراف ۷:۸۶، ۱۰۳

See: Look at Kaif Kaan Aqib al-Mukzabeen, Al-Imran 3: 127; Al-An'am 6: 11; Look at Kaif Kaan Aqib al-Mujarmin, al-A'raf 7:84; Aqib al-Mafsdin, Al-A'raf 7: 86, 103

39 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الإمارۃ، باب النہی عن طلب الإمارۃ والحرص علیہا (حدیث نمبر: ۴۷۱۵)

Muslim, Al-Jama'i al-Sahih, Kitab al-Imarat, Bab An-Nahi 'an Talb al-Amarah (Hadith#: 4715)

40 ایضاً، حدیث نمبر: ۴۷۱۷

Ibid, Hadith# 4717

41 ایضاً، حدیث نمبر: ۴۷۱۸

Ibid, Hadith# 4718

42 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الإمارہ، باب النہی عن طلب الإمارۃ والحرص علیہا، حدیث نمبر: ۴۷۱۹

Muslim, Al-Jama'i al-Sahih, Kitab al-Imara, Bab An-Nahi 'an Talb al-Amarah, Hadith# 4719

43 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب القدر، باب الأمر بالقوہ وترک العجز (حدیث نمبر: ۲۶۲۴)

Muslim, Al-Jama'i al-Sahih, Kitab al-Qadr, Bab Al-Amr bil-Quwah wa Tark al-'Ajz (H. 2624)

44 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الأحکام، باب السمع والطاعہ (حدیث نمبر: ۷۱۴۴)

Al-Bukhari, Al-Jami' al-Sahih, Kitab Al-Ahkam, Bab Al-Sam'a wa al-Ta'ah (Hadith# 7144)

45 مشاورۃ کے اصول پر ہم نے اپنی کتاب "اسوۂ حسنہ: چند اصولی اور فکری پہلوؤں کا جائزہ" کے پانچویں باب میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ ص ۹۳-۱۰۹

We have discussed the principle of consultation in detail in the fifth chapter of our book " Uswa-e-Hasna: Chand Usuli awr Fikri Pehluon ka Jaizah ". P. 93-109

46 On the topic of consensus see: Farooqui, Muḥammad Yusuf,, Early Islamic lego-political institutions: An exploratory study, chap. 6 (Shariah Academy, IIU Islamabad, 2011); Development of Usul al-Fiqh, principle of Ijma ', pp 38 – 60 (Shariah Academy, IIU Islamabad, 1995

47 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب الأمر بالتیسیر (حدیث نمبر: ۴۵۲۵) رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور آپ ﷺ کی ہدایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہا نے یہ کلیہ بیان کیا ہے کہ جب کبھی کسی معاملہ میں مشقت اور دشواری پیدا ہوگی وہاں اصول یُسر متحرک ہوگا اور مشقت کو ختم یا کم کر کے سہولت پیدا کر دے گا۔

Muslim, Al-Jami' al-Sahih, Kitab al-Jihad wal-Siyar, Bab Al-Amr bil-Tayseer (Hadith# 4525) Keeping in view the instructions of the Messenger of Allah, peace and blessings be upon him, Hasanah and his companions, the jurists have stated that whenever hardship and difficulty arise in a matter, there The principle of ease will be dynamic and will create convenience by eliminating or reducing labor.

48 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الإمارہ، باب فضیلۃ الامیر العادل (حدیث نمبر: ۴۷۲۲)

Muslim, Al-Jami' al-Sahih, Kitab al-Imara, Bab Fadhilah al-Amir al-'Adil (Hadith# 4722)

49 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الامارہ، نفس الباب (حدیث نمبر: ۴۷۳۱)

Muslim, Al-Jama'i al-Sahih, Kitab al-Imara, Nafs al-Bab (Hadith# 4731)

50 ایضاً، (حدیث نمبر: ۴۷۲۹)

Ibid, (Hadith# 4729)

51 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الإمارہ، باب تحریم ہدایا العمال (حدیث نمبر: ۴۷۳۸، ۴۷۳۹، ۴۷۴۰)

Muslim, Al-Jama'i al-Sahih, Kitab al-Imara, Bab Tahirim Hadaya al-Ummal (Hadith# 4738, 4739, 4740)

52 ایضاً، دیکھیے باب تحریم الغلول، عدی بن عمیرہ الکندی روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جس کسی شخص کو ہم نے عامل مقرر کیا، پھر اس ایک سوئی یا اس سے بھی کوئی معمولی چیز چھپائی تو یہ غلول (خیانت) ہے، یوم آخرت اس کا بھی حساب دینا ہوگا (حدیث نمبر: ۴۷۴۳)

Also, see Bab Tahirim al-Ghulul, 'Adi bin Umayra al-Kindi narrates that I heard the Messenger of Allah, may God bless him and grant him peace, say that whoever We appointed as an agent, then he hides a needle or something even smaller, then it is Ghulul (treachery), it will also have to be accounted for on the Day of Judgment (Hadith# 4743).

53 اس قسم کی روایات کی بنیاد پر فقہا نے احتساب کا ایک مستقل ادارہ تجویز کیا ہے۔ احتساب کا ادارہ اس قدر بااختیار ہوتا ہے کہ وہ بلا خوف وخطر حکمرانوں کا بھی احتساب کرتا ہے۔ محاسبے پر تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد یوسف فاروقی، اسوۂ حسنہ: چند اصولی وفکری پہلوؤں کا جائزہ، باب ۹، ص ۱۲۸

On the basis of such traditions, jurists have proposed a permanent institution of accountability. The institution of accountability is so empowered that it holds the rulers accountable without fear. For details on accounting, see: Muḥammad Yusuf Farooqi, Uswa-e-Hasna: Chand Usuli awr Fikri Pehluon ka Jaizah, Chapter 9, p. 128

54 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الإمارۃ، باب خیار الأئمۃ وشرارھم (حدیث نمبر: ۴۸۰۴)؛ امام البانیؒ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، تخریج کتاب السنہ، ۱۰۷۱

Muslim, Al-Jami' al-Sahih, Kitab al-Imarah, Bab Khiyar al-Aimah wa Shirarahum (Hadith# 4804); Imam Al-Albani has declared its chain of transmission to be authentic, Takhrej Kitab al-Sunnah, 1071